(الاخلاص) حصہ اول

(علم وعمل میں اخلاص کی اہمیت)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	قابل ذکر احکام	۵
۲	حضور ﷺ کی شان	۶
۳	فلسفیانہ اشکالات	۷
۴	وجہ انتخاب مضمون	۷
۵	حضور ﷺ کی شان علم	۸
۶	شریعت کی وسعت	۸
۷	مرتبہ احکام نبوی ﷺ	۹
۸	احکام کی بجا آوری میں ہمارا عمل	۱۰
۸	احکام شرعیہ کی علتیں پوچھنے کی وجہ	۱۱
۹	احکام کی علتیں بیان نہ کرنے کی وجہ	۱۳
۱۰	احکام کی خودساختہ علتیں بیان کرنے کا نقصان	۱۴
۱۱	سائلین علت کے لئے بہترین جواب	۱۴
۱۲	اسلام کی عظمت	۱۵
۱۳	کمال ایمان کی دلیل	۱۶
۱۴	وساوس آنے کا راز	۱۷
۱۵	وسوسے کا علاج	۱۷
۱۶	وسوسے کا دوسرا علاج	۱۸
۱۷	سالک کا مقصود	۱۹
۱۸	رضائے محبوب کے دوحال	۲۰
۱۹	قرب و بعد کی حقیقت	۲۱
۲۰	وساوس کا مقام	۲۲
۲۱	وساوس کے آنے پر خوشی	۲۲

۲۲	صوفیاء اور فلاسفہ میں فرق	۲۳
۲۳	عظمت خداوندی	۲۳
۲۴	احکام فقہیہ کی عظمت	۲۴
۲۵	عوام کا علتوں کے بارے میں سوال	۲۵
۲۶	ہم میں موجود مرض اور اس کا علاج	۲۵
۲۷	امتیاز قومی کا فقدان	۲۷
۲۸	ثبوت احکام کے لئے ادلہ شرعیہ	۲۸
۲۹	تشبہ بالکفار کی ممانعت	۲۹
۳۰	دوسروں کے ساتھ لوگوں کا طرز عمل	۳۱
۳۱	دینداروں کا حال	۳۱
۳۲	جامہ انسانیت	۳۲
۳۳	غرباء کے ساتھ حضور ﷺ کا برتاؤ	۳۳
۳۴	حضور ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے مزاح	۳۳
۳۵	قومی ہمدردی کا مطلب	۳۴
۳۶	غریبی امیری کی حکمت	۳۵
۳۷	حقیقی ہمدردی	۳۶
۳۸	بخشش کا سبب	۳۷
۳۹	کتے سے ہمدردی کے سبب علم کا حصول	۳۷
۴۰	تعصب اور حمیت میں فرق	۳۸
۴۱	اصلی ہمدردی	۳۹
۴۲	ہمدردی میں اعتدال کی ضرورت	۴۰
۴۳	مال کی بے وقعتی	۴۱
۴۴	دنیا کی مثال	۴۳
۴۵	قدر ضرورت مال دنیا مطلوب ہے	۴۵
۴۶	شعر کے لطیف معنی	۴۷

وعظ

(الاخلاص)

حصہ اول

(علم وعمل میں اخلاص کی اہمیت)

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے وعظ ''الاخلاص'' وسط جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں بیٹھ کر ارشاد فرمایا مولانا عبداللہ صاحب گنگوھی نے قلم بند فرمایا۔ حدیث مبارک کی تشریح فرماتے ہوئے اس بات کو وضاحت سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ صورتوں اور مال کی طرف توجہ نہیں فرماتے بلکہ نیت اور اعمال کو دیکھتے ہیں اس لئے نیت واعمال میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس وعظ سے استفادہ کرنے والے تمام احباب کو اخلاص نیت عطا فرمائے۔ حدیث میں مذکور دو اجزاء کا بیان اس وعظ میں ہوا ہے بقیہ دو کا بیان الاخلاص حصہ دوم میں ہے جو آئندہ ماہ طبع ہوگا۔

خلیل احمد تھانوی

۱/۵/۱۴۳۴ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم اما بعد:

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ﴿ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنۡظُرُ اِلٰی صَوَرِکُمۡ وَاَمۡوَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ یَنۡظُرُ اِلٰی نِیَاتِکُمۡ وَاَعۡمَالِکُمۡ ﴾

ترجمہ حدیث شریف کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کی طرف نظر نہیں فرماتے لیکن تمہاری نیتوں اور اعمال پر نظر فرماتے ہیں۔

قابل ذکر احکام

اس حدیث میں حضور ﷺ نے اُس شے کی تعیین فرمائی ہے جس پر حق تعالیٰ کی نظر ہے گو مخلوق کی نظر نہیں اور اس شے کی بھی تعیین فرمادی جس پر حق تعالیٰ کی نظر نہیں گو مخلوق کی نظر ہے اور صور و اموال کی تخصیص کی وجہ حالانکہ غیر منظور اور اشیاء دینویہ بھی ہیں[۱] یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ان ہی امور کو بیان فرماتے ہیں کہ جن کی ضرورت ہے اور جن میں ابتلاء ہے اور جو غیر ضروری امور ہیں یا جس میں ابتلاء کبھی نہیں ہوتا ان کو بیان نہیں فرماتے ہیں کیونکہ ایسے امور کے بیان کی

(۱) صورت اور مال کو خصوصیت سے ذکر کرنے کی وجہ جبکہ اللہ اس کی طرف نظر بھی نہیں کرتے اور وہ دنیاوی اشیاء بھی نہیں ہے۔

ضرورت ہی نہیں چنانچہ یہ کہیں نہیں فرمایا کہ گوبر(۱) مت کھایا کرو پیشاب مت پیا کرو اس لئے کہ اکلا وشرباً ان چیزوں کا استعمال معتاد نہیں ہے (۲) البتہ ان میں ابتلاء کی صورت یہ ہوسکتی تھی کہ ثوب یا بدن (۳) نجاست میں آلودہ ہوجائے سو اس کو تصریحاً بیان فرمایا ہے۔

حضور ﷺ کی شان

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے حضور ﷺ طبیب ہیں آپ کے تمام خطابات بعینہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ ایک طبیب کی مخاطبہ مریض کے ساتھ، طبیب امراض جسمانی کا علاج کرتا ہے حضور ﷺ امراض روحانی کے ازالہ کے لئے تشریف لائے ہیں پس طبیب مریض کو ان ہی اشیاء سے منع کرتا ہے کہ جس میں ابتلاء ہو مثلاً انبہ (۴) کی فصل میں انبہ سے منع کرے کہ انبہ مت کھانا اور اگر فصل نہ ہوگی منع کرنے کی ضرورت ہی نہیں اس وقت منع کرنا عبث (۵) ہے بلکہ ایسے طبیب کی مثال اس بقال (٦) کی سی ہوجاوے گی کہ بقال کی تھالی گم ہوگئی تھی تمام جگہ تلاش کی یہاں تک کہ گھڑے میں بھی تلاش کی کسی نے پوچھا کہ گھڑے میں تھالی کیسے آسکتی ہے بقال نے کہا کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں مگر احتیاطاً دیکھ لینا اچھا ہے شاید اس تقریر سے ایک نہایت کار آمد اور قابلِ قدر مضمون معلوم ہوا وہ یہ کہ قرآن و حدیث کا اصلی مذاق یہ ہے کہ اُس میں انہیں اشیاء سے بحث ہے کہ جس میں ابتلاء واقع ہے جیسا طبیب کا معاملہ مریض کے ساتھ اور یہ مذاق نہیں کہ تمام شکوک محتملہ بعیدہ کو دفع کیا کرے (۷) جیسا مدرس کا خطاب طلبہ سے ہوتا ہے کہ عبارت میں جس

(۱) پاخانہ (۲) کیونکہ عادۃ آدمی یہ چیزیں نہیں کھاتا (۳) کپڑا یا جسم (۴) آم (۵) بیکار ہے (٦) سبزی بیچنے والا (۷) یعنی ایسے شکوک وشبہات جن کا دور کا بھی احتمال ہو ان کو بھی دور کرے۔

قدر شکوک ہوتے ہیں سب کو دفع کرتا ہے حتی کہ ایسے شکوک کو بھی دفع کرتا ہے کہ ان کی طرف ذہن بھی بمشکل منتقل ہوتا ہے غرض یہ کہ قرآن و حدیث بمنزلہ کتب طب کے ہیں اور حضور ﷺ بمنزلہ طبیب کے نہ کہ قرآن وحدیث بمنزلہ کتب درسیہ کے ہوں اور حضور ﷺ بمنزلہ مدرس کے۔

فلسفیانہ اشکالات

اسی لئے جولوگ منطق وفلسفہ پہلے پڑھتے ہیں اوران کا مذاق فلسفی ہوجاتا ہے وہ قرآن وحدیث کو بھی اسی نظر سے دیکھتے ہیں پھراس میں اشکال پیدا کرتے ہیں اور سمجھنے میں ان کو دقت واقع ہوتی ہے کیونکہ مذاق ان کا بدل جاتا ہے جیسے کہ ایک مولوی صاحب معقول پڑھ کر ایک محدث کی خدمت میں پڑھنے گئے ترمذی میں حدیث آئی (لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلٰوۃً بِغَیْرِ طُھُوْرٍ) حق تعالیٰ بغیر پاکی کے نماز قبول نہیں فرماتے۔

تو ان مولوی صاحب نے شبہ کیا کہ یہ حدیث تو اس کو بھی عام ہے کہ اگر نماز پڑھ کر کوئی وضو کرے تو چاہیئے کہ وہ قبول ہوتو وجہ اس لغوشبہ کی یہی ہے کہ ان کا مذاق فلسفہ ومنطق سے بدل گیا تھا احتمالات عقلیہ کو گو وہ شرعاً محتمل نہ ہوں(۱) حدیث وقرآن میں بھی جاری کرتے تھے حالانکہ شارع کے احکام میں عادات وواقعات پر زیادہ نظر ہے اسی لئے شریعت کو وہ زیادہ سمجھے گا جو عادات ناس سے(۲) واقفیت رکھتا ہوگا اس لئے کہ شارع نے ہمارے ان ہی امراض کا جن میں ابتلاء ہے، علاج بیان فرمایا ہے۔

وجہ انتخاب مضمون

چنانچہ اس حدیث شریف میں بھی ایسے ہی ایک مرض کا جس میں ابتلاء تھا

(۱) ایسے عقلی احتمالات جن کا شریعت میں کوئی احتمال ہی نہ ہو (۲) لوگوں کی عادات سے واقف ہو۔

علاج فرمایا ہے اور وہ مرض یہ ہے کہ مخلوق نے مطمع(۱) نظر ایک ایسی شئے کو بنا رکھا ہے جس پر خالق کی بالکل نظر نہیں اور مطروح النظر (۲) ایسی شئے کو بنا رکھا ہے جس پر خالق کی نظر ہے اس لئے ضروری ہوا کہ اس غلطی پر متنبہ کیا جاوے تاکہ علاج کیا جاوے اور اس وقت اس حدیث کے ہمارے اختیار کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مرض میں عام طور سے ابتلاء ہے۔

حضور ﷺ کی شان علم

اور حضور ﷺ نے جو اپنے زمانہ خیریت نشانہ میں یہ مضمون فرمایا حالانکہ اس وقت غالب خیر تھی تو آئندہ کے لحاظ سے فرمایا کیونکہ حضور ﷺ تو قیامت تک کے لئے سب کے طبیب ہیں اور حضور ﷺ کے احکام تمام واقعات شدنی کے متعلق ہیں(۳) چنانچہ قیامت تک کوئی مرض کوئی عمل کوئی قول کوئی فعل ایسا نہیں ہوگا جس کے متعلق شریعت میں حکم موجود نہ ہو۔ کیونکہ حضور ﷺ کی شان تو یہ ہے کہ فرماتے ہیں: (أُوْتِيتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخَرِيْنَ) ''مجھ کو اولین اور آخرین کا علم دیا گیا ہے'' اور فرماتے ہیں (اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ وَعَلَّمَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمِیْ) ''مجھ کو میرے رب نے ادب دیا پس میرا ادب دینا اچھا ہوا مجھ کو میرے رب نے تعلیم دی پس اچھی ہوئی تعلیم میری)

شریعت کی وسعت

اور یہاں سے شریعت کی وسعت معلوم ہوگئی ہوگی کہ شریعت اسلامی کے سوا کوئی قانون ایسا نہیں کہ جس میں تمام واقعات جو قیامت تک ہونے والے ہیں سب کا حکم موجود ہو اگر کوئی کہے کہ حضور ﷺ نے بھی بعض مسائل کے متعلق

(۱) پیش نظر (۲) صرف نظر ایسی چیز سے کیا ہوا ہے (۳) پیش آنے والے واقعات سے متعلق ہیں۔

لَا اَدْرِیْ ''مجھ کو معلوم نہیں'' فرمایا ہے تو جواب یہ ہے کہ لَا اَدْرِیْ اُس وقت تک تھا کہ جب تک شریعت کی تکمیل نہیں ہوتی تھی اور جب آیۃ ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ ''میں نے آج کے دن تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا'' نازل ہوئی اور شریعت من کل الوجوہ مکمل ہوگئی پھر کوئی حکم غیر مبین نہیں رہا سب مبین ہوگئے (۱) اور مبین ہونے کے یہ معنی نہیں کہ بالتخصیص (۲) ہر ہر واقعہ کا حکم بیان فرمایا ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ قواعد کلیہ ایسے فرمائے جن سے تمام واقعات کے احکام مستنبط ہوتے ہیں۔

مرتبہ احکام نبوی ﷺ

چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بدن گودنے والے پر جو لعنت فرمائی تو ایک عورت نے دریافت کیا کہ قرآن میں تو یہ حکم ہی نہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو قرآن پڑھتی تو اس میں یہ حکم پاتی کیا تو نے قرآن میں پڑھا نہیں ﴿ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ق وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ﴾ یعنی جو رسول اللہ تم کو دیں (یعنی کسی شے کا امر فرمادیں) اُس کو لو اور جس شے سے منع فرمادیا اُس سے باز رہو۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ نے بدن گودنے والے پر لعنت فرمائی ہے پس یہ حکم بھی من اللہ ہوا (۳) اسی طرح سے آج کل جو اخباروں میں لکھا جاتا ہے کہ ڈاڑھی رکھنے کا حکم قرآن میں ہی نہیں یہ مولویوں کی گھڑت ہے یہاں سے اس کا جواب بھی معلوم ہوگیا کہ اگرچہ قرآن میں تصریحاً نہیں ہے لیکن جناب رسول اللہ ﷺ نے تو امر فرمایا ہے اور حضور ﷺ کا فرمایا ہوا اللہ تعالیٰ ہی کا فرمایا ہوا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

''ان کا فرمان اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اگرچہ اللہ کے بندہ (یعنی محمد ﷺ) کے منہ سے نکلا ہے''۔

---

(۱) سب احکام واضح طور پر بیان کر دئے گئے (۲) خصوصیت سے (۳) اللہ کی جانب سے۔

آپ کی شان یہ ہے ؂

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند انچہ اوستاد ازل گفت بگو آں گویم

’’آئینہ کے پیچھے مجھے طوطی کی طرح رکھا ہے جو کچھ استاد ازل نے کہا تھا وہی میں کہہ رہا ہوں‘‘

پس اس قاعدے سے ڈاڑھی رکھنے کا حکم بھی قرآن میں مذکور ہوگیا۔

احکام کی بجا آوری میں ہمارا عمل

اور یہاں سے ایک اور ضروری بات ثابت ہوئی وہ یہ کہ جب معلوم ہوگیا کہ حضور ﷺ کا فرمایا ہوا گویا اللہ تعالیٰ کا فرمایا ہوا ہے تو اب ہم کو اپنی حالت میں غور کرنا چاہیئے کہ ہمارا معاملہ حق تعالیٰ کے اوامر کے ساتھ کیسا ہے سو تجربہ سے ایک قاعدہ دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے آپس میں اوامر (۱) کے ساتھ دو قسم کا برتاؤ ہے ایک یہ کہ بعض امر کا امر سنکر (۲) تو ہم اُس میں حجت اور حیلہ نکال سکتے ہیں اور بعض مرتبہ صاف انکار بھی کر دیتے ہیں اور بعض آمر کا امر سنکر ہم سرنگون اور دم بخود رہ جاتے ہیں (۳) اور بجز تسلیم و انقیاد (۴) کے کچھ چارہ نہیں ہوتا اور ہماری حالت یہ ہوتی ہے جیسا کہ شیخ نظامی نے کہا ہے ؂

زباں تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو

’’آپ کی ربوبیت کا اقرار کرنا آپ کے کاموں میں علتیں نکالنے کو مانع ہی‘‘

پس غور کرنا چاہیئے کہ اس فرق کی وجہ کیا ہے کہ کسی آمر کے ساتھ یہ برتاؤ اور کسی کے ساتھ دوسرا تو مابہ الفرق تامل کے بعد عظمت اور عدم عظمت معلوم ہوتا ہے جس آمر کی ہمارے قلب میں عظمت ہوتی ہے اُس آمر کے سامنے ہم سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا اور جس کے قلب میں عظمت نہیں

(۱) احکام (۲) بعض احکام پر عمل کرنے کا حکم سن کر (۳) سر جھکا دیتے ہیں اور حیران رہ جاتے ہیں (۴) سوائے ماننے اور قبول کرنے کے کوئی صورت نہیں ہوتی۔

ہوتی اس کی کچھ پروانہیں کرتے عظمت وہ شئے ہے کہ زبان پر مہر لگادیتی ہے بلکہ زبان تو کیا قلب میں بھی اُس امر کے متعلق شبہ تک نہیں آتا بلکہ اگر دوسرا کچھ وسوسہ پیش کرتا ہے تو اس کو یوں دفع کیا جاتا ہے کہ میاں یہ ایک جلیل القدر کا امر ہے ضرور ضرور اس میں کچھ مصلحت ہوگی ورنہ ایسا شخص اس کا امر ہی کیوں کرتا گو وہ مصلحت ہماری سمجھ میں نہ آوے مثلاً اسٹام قیمتی عسر(۱) کا خرید کر اگر ہم ڈاک خانہ میں چھوڑ دیں اور اس پر ڈاک کا ٹکٹ نہ لگادیں تو وہ بیرنگ ہوجاوے گا اور ۱/(۱) کا لفافہ بیرنگ نہیں ہوتا حالانکہ اس کی قیمت اور اس کی قیمت میں ۱۵/ (۲) کا فرق ہے سو ظاہراً یہ بالکل خلاف قیاس ہے مگر اس کے متعلق کبھی سوال تک نہیں کیا جاتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے بلکہ بلاوسوسہ وشبہ تسلیم کرلیتے ہیں اور شب وروز اس پر عمل درآمد ہے کبھی کسی کی زبان پر تو کیا دل میں بھی شبہ نہیں ہوتا علیٰ ہذا دیگر احکام حکام میں بھی کبھی کوئی شک واعتراض نہیں کرتا اور اگر بالفرض کوئی اسٹام کے متعلق شبہ بھی کسی کے سامنے پیش کرے تو اول تو اُس شخص کو پاگل اور احمق سمجھیں گے کہ کیا سوال کرتا ہے اور پھر جواب بھی دیں گے کہ قانون اسی طرح ہے اور اس مجیب کو اس جواب جواب غیر مفصل وغیر مدلل کی وجہ سے یوں نہ کہیں گے کہ جواب سے عاجز ہے بلکہ ہر شخص سمجھے گا کہ جواب کافی ہوگیا تو اس تسلیم وانقیاد کی وجہ بجز عظمت کے کیا ہے چونکہ حکام کی عظمت قلوب میں راسخ ومتمکن ہوتی ہے اس نے زبان بلکہ قلب پر مہر لگادی اور سوائے آرے (ہاں) بلیٰ نعم کے لا اور نہ زبان پر نہیں آسکتا۔

احکام شرعیہ کی علتیں پوچھنے کی وجہ

جب یہ قاعدہ ثابت ہوگیا تو اب میں سخت حیرت اور تعجب میں ہوں کہ

---

(۱)۔۔۔۔۔۔(۲) جب یہ وعظ ہوا ہے اس وقت لفافہ ۱/ کا تھا (۲) پندرہ آنے (۳) ہاں اور کیوں نہیں کے علاوہ کوئی لفظ زبان پر نہیں آسکتا۔

اللہ اکبر ایک ادنیٰ حاکم مجازی فانی عاجز اپنے ہم جنس کے حکم کے سامنے ایسے مجبور اور جماد محض بن (۱) جاتے ہیں اور احکم الحاکمین حقیقی قادر مطلق (کہ اگر چاہے تو ایک دم میں سب کو برباد وہلاک کردے) اس کے امر میں لم اور علت اور حکمت (۲) پوچھی جاتی ہے افسوس صد افسوس کوئی پوچھتا ہے کہ صاحب عن الفرار فی الطاعون (طاعون میں فرار کرنا) کی کیا وجہ ہے کوئی صاحب تشبہہ کے مسئلہ میں گفتگو کرتے ہیں حتیٰ کہ روزہ نماز حج وزکوٰۃ مواریث سب احکام میں اپنی رائے کو دخل دیتے ہیں نعوذ باللہ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا

''دیکھو راستہ میں تفاوت کہاں سے کہاں تک ہے''

احکام شرعیہ میں جو بیجا سوالات کئے جاتے ہیں اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان احکام کی دل میں عظمت ہے اور اس سائل سے زیادہ مجیبین زمانہ پر حیرت ہوتی ہے کہ آجکل مجیبین نے یہ شیوہ اختیار کرلیا ہے کہ وہ سائلین کے مذاق کے تابع ہوگئے ہیں جو شخص جس حکم کی حکمت اور علت پوچھتا ہے اُس کو کچھ نہ کچھ علت اور حکمت بتلانا ضروری سمجھتے ہیں اور اگر معلوم نہیں ہوتی تو گھڑ کر کچھ بتاتے ہیں یہ جواب کیوں نہیں دیا جاتا کہ یہ قانون الٰہی ہے جیسا کہ حکام مجازی کے حکم کی تعمیل کے متعلق کہا جاتا ہے افسوس معلوم ہوتا ہے کہ احکم الحاکمین کی عظمت کو حاکم مجازی سے بھی کم سمجھ لیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سائل کے دل میں تو ظاہر ہے عظمت نہیں مجیب صاحب کے قلب میں بھی نہیں ہے کیونکہ عظمت اگر ہوتی تو وہی جواب دیتے جو اسٹام کی مثال میں گذرا کہ بس چپ رہو قانون اسی طرح ہے ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے۔

(۱) پتھر کی طرح بے حس ہوجاتے ہیں (۲) علتیں اور حکمتیں پوچھی جاتی ہیں (۳) آدہ آنے کا تھا ایک آنے میں چار پیسے ہوتے تھے دو پیسہ کو آدھا آنہ کہتے تھے۔

احکام کی علتیں بیان نہ کرنے کی وجہ

اور جب حاکم مجازی کے بہت سے احکام کی اسرار اور حکمتیں اور مصلحتیں ہم کو معلوم نہیں اور نہ ہوس ہوتی ہے تو پھر حاکم حقیقی کے احکام کے اسرار معلوم کرنے کے درپے (۱) کیوں ہوتے ہیں اور جب ایک ادنیٰ آدمی اپنے نوکروں کو اپنے خانگی معاملات کے اسرار نہیں بتاتا تو حق تعالیٰ جل وعلاشانہ با اینہمہ (۲) عظمت اپنے مخلوق ومملوک کو کیوں اسرار بتاویں اس لئے عارف شیرازی فرماتے ہیں ۔

حدیث از مطرب دمے گو راز دہر کمتر جو — کہ کس نکشو دنکشاید بحکمت ایں معمّہ را

''مطرب دمے یعنی عشق ومحبت کی باتیں کرو زمانہ کے بھید اور اسرار کی ٹوہ میں مت لگو کیونکہ یہ عقدہ حکمت سے نہ کسی نے حل کیا نہ کوئی حل کر سکے گا''۔

اس زمانے میں بہت لوگ علل اور حکم کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں بہت غور وخوض کے بعد اگر کوئی بات کسی حکم کے متعلق سمجھ میں آگئی تو اس پر بے انتہا اتراتے ہیں ﴿فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ﴾ ''جو علم ان کو حاصل ہے اس پر وہ خوش ہیں''۔

حالانکہ وہ حقیقی اسرار کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ۔

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست — آنجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

''بحر عشق ایسا بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں اس میں بجز جان دیئے چارہ نہیں ہے''

---

(۱) پیچھے کیوں پڑتے ہو (۲) اللہ تعالیٰ جو اتنی بڑی عظمت کے حامل ہیں وہ اپنے اسرار کیوں بتائیں۔

احکام کی خودساختہ علتیں بیان کرنے کا نقصان

خود اہل سائنس میں جو وسیع النظر ہیں معترف ہیں کہ دریائے سائنس میں سے ابھی ایک قطرہ پر بھی ہم کو دسترس نہیں جب اسرار مخلوق پر ان لوگوں کو ابھی تک عبور نہیں ہوا تو خالق کے اسرار اور علل کیسے سمجھ سکتے ہیں اور اگر غور وخوض کے بعد کوئی علت کسی کی سمجھ میں بھی آ گئی تو ظاہر ہے کہ منصوص (۱) تو نہیں ہے کیونکہ ان کی ہی طبع زاد ہے پس وہ خود ظنی اور تخمینی ہوگی پس اگر احتمالاً کوئی شخص منکر ان کی علت مخترعہ کو باطل کردے تو چونکہ اس مجیب نے اُس کی علت اور مدار حکم ہونے کا اعتراف کرلیا ہے پس اس کے انہدام سے وہ حکم شرعی بھی منعدم ہوگیا (۲) ان بزرگوں نے علل مخترعہ نکال کر اور ان کو مدار حکم ٹھہرا کر تمام شریعت ہی کو اصل سے منہدم کردیا سچ ہے ۔

دوستی بے خبر وچوں دشمنی است

''نادان کی دوستی مانند دشمنی کے ہے''

سائلین علت کے لئے بہترین جواب

ایسے ہی محققین من الحقہ (۳) کی بدولت اسلام پر انواع انواع کے اعتراض ہورہے ہیں تو حضرت اسلام آپ کی ایسی ہمدردی سے مستغنی ہے اسلام خود ایسا روشن اور ثابت ہے کہ اُس کو ایسے تخمینات سے ثابت کرنے کی ضرورت ہے ۔

فِیْ طَلَعَةِ الشَّمْسِ مَا یُغْنِیْكَ عَنْ زُحَلٍ آفتاب جس کے سامنے ہو وہ زحل کو لیکر کیا کرے گا ۔

---

(۱) اس پر کوئی شرعی دلیل تو ہے نہیں (۲) اس علت اور وجہ کے غلط ثابت ہونے میں وہ حکم بھی معدوم ہوگا

(۳) یہ ایسے محقق ہیں جو حقہ سے ماخوذ ہیں۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

''آفتاب کا نکلنا ہی آفتاب کی دلیل ہے''

پس جب کوئی تم سے پوچھے کہ فلاں حکم کی کیا علت ہے بے تکلف کہہ دو کہ ہم نہیں جانتے کیا علت اور حکمت ہے پس حکم خدائے تعالیٰ کا ہے جیسا کہ فرشتوں نے عرض کیا تھا: ﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ یعنی تو پاک ذات ہے ہم کو کچھ علم نہیں مگر وہ جو آپ نے ہم کو سکھا دیا بیشک آپ ہی باخبر اور حکمت والے ہیں۔ یہی طریق ہم کو اختیار کرنا چاہئے کیونکہ ظاہر ہے کہ ہمارا علم ناقص فرشتوں کے علم سے تو زیادہ نہیں جب انہوں نے تفویض محض سے[1] کام لیا اور اپنی رائے کو دخل نہیں دیا تو ہم کون ہیں دخل در معقولات دیں بس یہ جواب کافی ہے حضرات صحابہ باینہمہ فضل وکمال مناظرۂ کفار میں جو بات معلوم نہ ہوتی صاف فرمادیتے کہ ہم نہیں جانتے ہم اپنے پیغمبر ﷺ سے پوچھ کر بتادیں گے اور بھی خوبی کی بات ہے بلکہ اس میں احکام کی زیادہ عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

اسلام کی عظمت

ایک حکایت یاد آئی ایک آریہ نے دعویٰ کیا کہ ہم اپنے مذہب کے ہر جز کی بنا عقل سے بتلا سکتے ہیں اور مسلمان ایسا نہیں کرسکتے میرے ایک عزیز نے جواب دیا کہ بس اسی سے معلوم ہوا کہ تمہارا مذہب کسی مخلوق کا بنایا ہوا ہے کہ دوسرا مخلوق اس کے اسرار تک پہنچ سکتا ہے اگر خالق کا فرمایا ہوا ہوتا مخلوق کہیں تو ادراک اسرار سے عاجز ہوتا آجکل ایسے لوگ زیادہ ہیں کہ علم تو خاک نہیں مگر مناظرہ اور

(۱) جب انہوں نے یہ معاملہ اللہ کے سپرد کردیا اور اپنی رائے کو دخل نہیں دیا۔

مباحثہ میں قدم رکھتے ہیں اور بعض آریوں سے بعض شیعوں سے بعض عیسائیوں سے مناظرہ شروع کردیتے ہیں اور جب ان کے ایسے سوالات کے جواب میں خود احکام کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تو علماء سے پوچھتے پھرتے ہیں مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ ہم نہیں جانتے علماء سے پوچھ لو سو دین کو ایسا ارزاں بنا رکھا ہے کہ اُس کے جاننے کا ہر شخص مدعی ہے اور فنون میں تو یہ کہتے ہوئے شرم اور عار نہیں آتی کہ ہم اس بات کو نہیں جانتے مگر دین ایسا ہوگیا کہ ہر شخص مدعی ہے کہ میں بھی مجتہد ہوں اور بیخبری کے اقرار سے عار ہے حاصل یہ کہ اسرار کی تفتیش دلیل اس کی ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت پیش نظر نہیں ہے اگر عظمت پیش نظر ہوتی تو احکام میں کاوش اور ان کی علل (۱) سے سوال کرنا تو کیا اس کا وسوسہ تک بھی نہ گذرتا۔

کمال ایمان کی دلیل

چنانچہ جن کے دل میں عظمت ہوتی ہے ان کے دل میں ہرگز وسوسہ نہیں آتا یعنی ایسا وسوسہ جو عقیدہ کے مرتبہ میں ہو اور جو محض خطرہ کے مرتبہ میں ہو وہ منافی عظمت (۲) کے نہیں بلکہ وہ تو علامت کمال ایمان کی ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسے وساوس آجاتے تھے اور جناب رسول اللہ ﷺ سے جب آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم کو ایسے خطرات (۳) گذرتے ہیں کہ ہم جل کر خاک سیاہ ہوجاویں تو اس کی تکلم سے اس کو بہت جانتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: (اَوَ وَجِدْتُمُوْہ فَذَاکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَان) یعنی کیا تم ایسے خطرات کو اپنے قلوب میں پاتے ہو یہ تو صریح ایمان ہے اور یہ فرمایا: (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ کَیْدَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ) یعنی اللہ کا شکر ہے کہ شیطان کے مکر کو وسوسہ کی طرف پھیر دیا اعمال اور عقائد تک اس کو

(۱) علتوں کے بارے میں نہ پوچھنا (۲) عظمت کے خلاف (۳) وسوسے آتے ہیں۔

دسترس نہیں ہوئی اہل سلوک کو بھی بعض مرتبہ ایسے وساوس آتے ہیں کہ خودکشی کرنی آسان معلوم ہوتی ہے چنانچہ جواُن میں جاہل ہیں وہ خودکشی کر بھی لیتے ہیں اور جو واقف ہیں وہ صبر کرتے ہیں۔

وساوس آنے کا راز

راز اور علت وسوسہ کی یہ ہے کہ جب سالک اللہ کی راہ میں قدم رکھتا ہے تو شیطان کو بڑا رنج ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو ضرر(۱) پہنچاؤں اول نماز روزہ فرائض واجبات کے ترک کی کوشش میں لگتا ہے کہ دینی ضرر ہے جب جانتا ہے کہ اس میں مجھ کو کامیابی نہ ہوگی اس وقت جسمانی ضرر اور پریشانیوں کو غنیمت سمجھ کر اس کے گوش قلب(۲) میں بُرے بُرے وسوسہ پھونکتا ہے۔ سالک اس سے پریشان ہوتا ہے اور رنج کرتا ہے کہ اللہ اکبر میرے تو ایمان ہی میں نقص ہے کہ مجھ کو ایسے خطرات گذرتے ہیں حالانکہ ان وسوسوں کا آنا اس کو مطلق مضر نہیں ہاں موجب پریشانی کا ہے اور پریشانی کا موجب بھی اس سبب سے کہ اس میں ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ سالک سمجھتا ہے کہ یہ وسوسے میرے قلب سے پیدا ہوتے ہیں منشاء ان کا میرا قلب ہے حالانکہ یہ غلط ہے منشا اُس کا شیطان ہے کیونکہ وہی قلب میں پھونکتا ہے قلب محض محل اور گذرگاہ وسوسہ ہے اس راز کے سمجھنے اور ذہن نشین ہونے کے بعد ان شاء اللہ مطلق پریشانی نہ ہوگی۔ بلکہ وسوسہ ہی کی جڑ کٹ جاوے گی۔

وسوسے کا علاج

کیونکہ شیطان وسوسہ اس کے پریشان کرنے کے لئے ڈالتا ہے جب وہ

(۱) نقصان (۲) دل کے کان یعنی دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

پریشان ہی نہ ہوگا وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا تو یہ علمی علاج ہے کہ جب وسوسہ آوے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ فعل شیطان ہے اور نعوذ سے بلکہ مطلق ذکر سے شیطان رفع ہوتا ہے ونیز جب ذکر کی طرف خوب متوجہ ہو گیا اور کامل توجہ دو طرف ہوتی نہیں تو وسوسہ کی طرف التفات نہ رہے گا اور بالفرض اگر اس پر بھی وسوسہ آویں اور رفع نہ ہوں اور بالاضطرار پریشانی ہو تو یہ بھی ایک مجاہدہ ہے تب بھی نفع ہی ہوا اس لئے رنج نہ کرے اور جو شخص اسی فکر میں لگا رہے کہ وسوسہ دفع ہو اور عبادت وذکر اللہ میں مزا آوے جیسا کہ آجکل اکثر اہل سلوک کا حال ہے تو سمجھنا چاہئیے کہ یہ شخص اپنے مزے کے لئے ذکر کرتا ہے رضائے حق کے لئے نہیں کرتا ۔

بس زبون وسوسہ باشی ولا گر طرب را باز دانی از بلا

''تم بالکل مغلوب وساوس سمجھے جاؤ گے اگر محبوب کے طرب وبلا میں فرق سمجھو گے''

گر مرادت را مذاق شکراست بے مرادی نے مراد دلبراست

''مراد کا مزہ شیریں ہے تو کیا بے مرادی دلبر کی مراد نہیں ہے''

وسوسے کا دوسرا علاج

دوسرا علاج وسوسہ کا مطلق ذکر اللہ ہے جیسا اوپر بھی اشارہ ہوا سو جب وسوسہ آوے ذکر اللہ شروع کر دے حدیث میں ہے (اِذَا ذِکْرَ اللّٰہُ خُنِسَ) یعنی جب مومن ذکر اللہ کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے (وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ) ''جب غافل ہوتا ہے تو وسوسہ ڈالتا ہے'' اوپر اس کے عقلی لم بھی(۱) مذکور ہوئی ہے اور

(۱) عقلی وجہ۔

وسوسہ آنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے سالک کا امتحان ہے کہ اس کی عبادت حظ نفس کے لئے تھی یا یہ کہ اس کشاکشی اور بے لطفی میں بھی عبادت کرتا ہے اور یہ کہ یہ وسوسہ کے وقت کس طرف متوجہ ہوتا ہے بعض تو جب شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اُس سے مناظرہ میں مشغول ہوجاتے ہیں سو ایسا شخص عارف نہیں ہے اگر عارف ہوتا تو اس طرف ہرگز متوجہ نہ ہوتا جیسا کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت نقل فرمائی ۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو　　چو بگذشت بر عارف جنگجو

''بہلول مبارک خصلت نے کیا اچھی بات کہی جبکہ وہ ایک عارف جنگجو پر گذرے اگر اس مدعی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی تو دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول نہ ہوتا''

لہذا ان وسوسوں سے ہرگز پریشان نہ ہو اور کام میں لگا رہے۔

سالک کا مقصود

آجکل یہ بھی اہل سلوک کو خبط ہوگیا ہے کہ مزہ کے طالب ہیں یہ چاہتے ہیں کہ ذکر میں کوئی وسوسہ نہ آوے اور مزہ آوے طالب صادق کی ہرگز یہ شان نہیں صادق وہی ہے مزہ آوے یا نہ آوے کلفت ہو یا راحت ہو ہر حالت میں طالب رضا کا ہو مولانا فرماتے ہیں ۔

روز ہا گر رفت گو رو باک نیست　　تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

''یعنی ایام تلف ہونے پر حسرت نہ کرنا چاہیئے اگر گئے بلا سے گئے عشق جو اصلی دولت ہے اور سب خرابیوں سے پاک ہے اسکا رہنا کافی ہے''

واردات اور کیفیات کو اصطلاح صوفیہ میں روز بھی کہتے ہیں فرماتے ہیں کہ اگر واردات اور کیفیات جاتی رہیں کہد و جاؤ کچھ حرج نہیں اے پاک ذات تو رہ کہ تیرے مثل کوئی پاک نہیں ہے یعنی تیری رضا مطلوب ہے وہ فوت نہ ہونی چاہیئے لہذا اصل مقصود کیفیت اور مزہ کو نہ بنانا چاہیئے رضا کو مقصود بنادے، سرمد کیا خوب فرماتے ہیں ۔

سرمد گلہ اختصار می باید کرد یک کار ازیں دوکاری باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید کرد یا قطع نظر زیادمی باید کرد

''اے سرمد شکوہ شکایت مختصر کر اور دو کاموں میں سے ایک کام کر یا تو تن کو دوست کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف کر یا دوست سے قطع نظر کرلے''

اور محبؔ کی تو یہ شان ہونی چاہیئے ۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

''زندہ کریں آپ کی عطا ہے اور قتل کریں آپ پر فدا ہوں دل آپ پر فدا ہے جو کچھ کریں اس پر میں راضی ہوں''

رضائے محبوب کے دوحال

پس جس حالت کو وہ سالک کے لئے پسند فرمادیں اس پر راضی رہے کیونکہ حق تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے اور اپنے بندوں کے حال سے خوب واقف ہیں بعضوں کی تربیت کا یہی طریقہ ہے کہ ان کو ہمیشہ پریشانی انقباض رنج

میں مبتلا رکھیں سب کو تو ہر امر میں محبوب کی رضا جوئی کرنا چاہئیے مثلاً اگر کوئی محبوب محبّ سے یہ کہے کہ اگر تم کو ہماری رضا مطلوب ہے تو باہر دروازہ پر بیٹھے رہا کرو اور ہم کو مت دیکھا کرو جناب اگر سچا محبّ ہے تو دل و جان سے امتثال کرے گا(۱) اور اگر ہوسناک ہے تو صبر نہ آوے گا اور مبتلائے ناراضی محبوب ہوگا۔ غرض یہ ہے کہ سالک کو مختلف حالتیں پیش آتی ہیں کبھی جمعیت ہے کبھی پریشانی کبھی غیبت ہے نہ بمعنی نسیان بلکہ بمعنی عدم دل چسپی اور کبھی حضور ہے اور یہ جملہ حالات محمود ہیں اس لئے کہ گو یہ بظاہر غیبت ہے مگر فی الواقع یہ بھی حضور کی ایک ہیئت ہے(۲) پس رضائے محبوب اس میں بھی ہے اور یہی مطلوب ہے اور اگر حضور اصطلاحی ہو اور رضا نہ ہو تو وہ بظاہر حضور ہے لیکن حقیقۃً غیبت ہے(۳) الحاصل کبھی حضور برنگ غیبت ہوتا ہے کبھی غیبت برنگ حضور ہوتا ہے کبھی قرب بصورت بُعد ہوتا ہے کبھی بُعد بصورت قرب ہوتا ہے۔

قرب و بعد کی حقیقت

اس کی مثال ہمارے معاملات دنیوی میں ایسی ہے کہ ایک شخص تو وہ ہے جو بادشاہ وقت سے دور ہے مگر بادشاہ نے اس کو کسی عہدہ جلیل القدر اور خطابات اعزاز سے نوازا ہے اور شب و روز شاہی الطاف وعنایات اس پر متوجہ ہیں تو گو یہ شخص صورۃ بادشاہ سے بعید ہے(۴) مگر فی الحقیقت قریب ہے اور ایک وہ شخص ہے جو جرائم شاہی کا مرتکب ہے جس کی وجہ سے بادشاہ اُس سے سخت ناراض ہے اور حکم ہے کہ جہاں اُس کو پاؤ گرفتار کرلو چنانچہ حسب الحکم شاہی وہ بادشاہ کے رو برو حاضر

(۱) اس کا کہنا مانے گا (۲) اگرچہ محبوب کی خدمت میں حاضر نہیں ہے لیکن یہ حالت محبوب کی طرف سے ہے جس پر یہ راضی ہے تو یہ بھی حاضری ہی ہے (۳) اور اگر خدمت تو حاضر ہو لیکن محبوب اس سے راضی نہ ہو تو یہ غائب ہونا ہے (۴) دور۔

کیا گیا پس یہ شخص گو ظاہراً قریب ہے مگر واقع میں یہ بعید(۱) اور مردود ہے حاصل یہ کہ ایسے وسوسوں سے پریشان نہ ہو کہ یہ قرب کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ شخص مقرب ہے۔

وساوس کا مقام

اور واقع میں یہ وساوس بھی باطن قلب کے اندر نہیں ہوتے گو متوہم ایسا ہی ہوتا ہے مگر حقیقت میں بیرون قلب ہوتے ہیں جیسے کہ آئینہ کے باہر مکھی بیٹھ جاوے تو دیکھنے والے کو تو یہ معلوم ہوگا کہ یہ مکھی آئینہ کے اندر بیٹھی ہے حالانکہ وہ باہر ہے اسی طرح وسوسہ قلب کے باہر ہے قلب کے اندر جہاں ذکراللہ ہو ان کی گنجائش نہیں ہے ایسے مومن کا قلب بالفعل محفوظ ہے ۔

عَذْلُ الْعَوَاذِلِ حَوْلَ قَلْبِیُ التَّائِہٖ وَهَوَی الْاِحَبِّۃِ مِنْہُ فِیُ سَوُدائِہٖ

''ملامت گروں کی ملامت قلب کے اردگرد ہے اور احباب کی محبت سوداء قلب میں ہے''

اسی طرح قلب ذاکر میں وساوس کا گذر نہیں اور وہ جو اس کو معلوم ہوتا ہے وہ عکس وساوس کا ہے۔

وساوس کے آنے پر خوشی

ایک بزرگ اس کے علاج میں فرماتے ہیں کہ جب وسوسے آویں خوب خوش ہونا چاہئیے کیونکہ یہ علامت ہے ایمان کی لقولہ علیہ السلام ذَاکَ صَرِیُحُ الْاِیُمَانِ ''یہ صریح ایمان ہے'' چور گھر میں جب ہی آتا ہے جبکہ گھر میں مال ہو اسی وجہ سے وساوس صالحین ہی کو آتے ہیں اور جو فسق و فجور میں مبتلا ہیں ان کو کبھی وسوسہ نہیں آتا اور مصلحت اس خوش ہونے میں یہ ہے کہ اس سے وسوسہ قطع

(۱) دور۔

ہوجاوے گا کیونکہ شیطان کا مقصود تو وسوسہ ڈالنے سے یہ ہے کہ یہ غم وحزن میں مبتلا ہو اور جب یہ برعکس خوش ہوتا ہے تو وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا سبحان اللہ کیا علاج ہے۔

صوفیاء اور فلاسفہ میں فرق

یہاں سے حضرات صوفیہ وفقہاء کا کمال علمی معلوم ہوتا ہے کہ فلاسفہ سے یہ حضرات بدرجہا زیادہ ہیں اس لئے کہ فلاسفر اکثر اعیان اور محسوسات کے حقائق سے بحث کرتے ہیں اور یہ کوئی مشکل نہیں جو شئے ہمارے سامنے موجود ہے اُس کو ہم کسراً وقطعاً وتحلیلاً وترکیباً (۱) ہر طرح تحقیق کرسکتے ہیں اور جہاں معانی سے بحث کی ہے وہاں ٹھوکریں کھائی ہیں اور حضرات فقہاء وصوفیہ معانی سے جو کہ غیر محسوس ہیں بحث کرتے ہیں اور ان کے علل واسرار بیان کرتے ہیں اور آثار ونتائج سے صحیح ثابت ہوتے ہیں یہ نہایت مشکل ہے حاصل یہ ہے کہ ایسے وسوسوں کا آنا عظمت الٰہی کے خلاف نہیں ہے گفتگو ان وسوسوں میں ہے جن پر مدار کار رکھے اور وہ مرتبہ عقیدہ میں ہوجاویں ایسے وسوسے اُسی کے دل میں آویں گے جس کے دل میں عظمت نہ ہو۔

عظمت خداوندی

جب مابہ الفرق عظمت (۲) ہوا پس عظمت حق تعالیٰ کی اور اس کے احکام کی دل میں پیدا کرنا چاہئے تا کہ یہ شبہات کہ وساوس مذمومہ ہیں قطع ہوں (۳) اور مراد احکام الٰہیہ سے خاص قرآن نہیں بلکہ حدیث وفقہ بھی اس میں داخل ہے پس

---

(۱) جو چیز سامنے موجود ہو اس کو توڑ پھوڑ کر تحلیل کر کے ترکیب دے کر اس کی حقیقت معلوم کرسکتے ہیں
(۲) جب دونوں میں فرق کرنے والی چیز عظمت ہوئی (۳) یہ شبہات جو بُرے وسوسے ہیں وہ آنے بند ہوں۔

جس طرح عظمت اللہ تعالیٰ کے احکام کی ضروری ہے اُسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کے احکام کی بھی عظمت ضروری ہے اس لئے کہ آپ کے احکام حقیقت میں خداوند تعالیٰ ہی کے احکام ہیں۔

احکام فقہیہ کی عظمت

اور اسی طرح احکام فقہیہ کی عظمت بھی لازم ہے اس لئے کہ وہ سب احکام قرآن وحدیث ہی سے مستنبط ہیں اس لئے کہ جزئیات تابع کلیات کے ہوتے ہیں یہ نہیں کہیں گے کہ اس جزئی خاص کا حکم بالتصریح(۱) مذکور نہیں ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ پارلیمنٹ میں ایک قانون پاس ہوا اور وہ قانون ہندوستان میں آیا اب جب کبھی کوئی شخص اس قانون کا خلاف کرے گا اُس کو وہی سزا دی جائے گی جو پاس ہو چکی ہے یہ ہرگز نہ کہا جاوے گا کہ خاص اس شخص کا واقعہ تو تعزیرات (۲) میں درج نہیں ہے کیونکہ یہ واقعہ بھی تو جزئی اسی کل کے ہے اسی طرح فقہاء کتاب وسنت سے ایک علت سمجھ کر ایک کلیہ حاصل کرتے ہیں پھر اس کو تمام جزئیات کی طرف متعدی کرتے ہیں پس خواہ وہ حکم کتاب اللہ سے ثابت ہو یا سنت سے یا اجماع وقیاس سے سب حکم الٰہی ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدت رامی شناسم

"خواہ کسی ہی رنگ کا لباس پہن لو میں قد کے انداز سے پہچان لوں گا"

اسی واسطے فقہا نے کہا ہے (اَلْقِیَاسُ مُظْهِرٌ لَا مُثْبِتٌ) "قیاس حکم شرعی کو ظاہر کرنے والا ہے نہ ثابت کرنے والا) پس جب تمام احکام فقہیہ کا احکام الٰہی ہونا معلوم ہو چکا اب اُس میں بھی چوں وچرا کرنا اور اس کی علت دریافت کرنا نہایت

(۱) وضاحت سے (۲) قانون کی کتاب۔

بے ادبی ہے۔ ہاں طالب علم اگر مستفیدانہ علت سے سوال کرے تو کچھ حرج نہیں مثلاً طبیب نے مریض کو ایک نسخہ لکھ کر دیا اگر مریض دریافت کرنے لگے کہ جناب آپنے گل بنفشہ کا وزن ۵ ماشہ کیوں لکھا ہے طبیب غصہ ہوگا اور اس کو کان پکڑ کر نکالدے گا اور اگر کوئی طالب علم جو اس فن کو حاصل کرنے آیا ہے سوال کرے اس کے سوال کرنے سے خوش ہوگا اور بیان کرے گا۔

عوام کا علتوں کے بارے میں سوال

پس عوام الناس کا علل واسرار سے سوال کرنا ایک بیہودہ حرکت ہے اور اگر معاندانہ سوال کرے تو سخت بے ادبی اور قریب بکفر ہے افسوس ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے تو بیان احکام میں کیسی مشقتیں اُٹھائیں انواع انواع(۱) کی تکالیف برداشت کیں اور ہماری خیرخواہی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا ہمارے روشن خیال بھائیوں نے اس کی یہ قدر کی کہ ان احکام پر بجائے عمل کرنے کے ان میں اپنی رائے کو دخل دینے لگے کہ فلاں حکم عقل کے خلاف ہے فلاں موافق ہے چاہیئے تھا کہ حضور ﷺ کے شکر گذار ہوتے اور جب کوئی حکم ملتا سر آنکھوں پر رکھ کر عمل شروع کر دیتے پھر دیکھئے کہ وہ کیا نتیجہ دیتا غرض آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہیئے جیسا مریض ایک مشفق اور صادق طبیب سے کرتا ہے کہ اس کی ہر تجویز کو بلاچوں وچرا اپنی مصلحت پر محمول کرتا ہے اور ممنون ہو کر عمل کرتا ہے۔

ہم میں موجود مرض اور اس کا علاج

سو اس حدیث میں بھی ہماری ضرورت وحالت موجودہ پر نظر فرما کر ارشاد فرمایا گیا ہے کیونکہ ہم اس بلاء میں مبتلا ہو رہے ہیں اور یہی وجہ ہے اس حدیث کے

---

(۱) قسم قسم کی۔

اختیار کرنے کی سو یہ مرض جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے ہم لوگوں میں آجکل رچ رہا ہے جس شئے پر ہم لوگوں کی نظر ہے اس پر حق تعالیٰ کی نظر نہیں اور جس پر حق تعالیٰ کی نظر ہے اس پر ہماری نظر نہیں لوگوں کا مطمح نظر تو صور اور اموال ہیں (۱) اور حق تعالیٰ کی اس پر نظر نہیں اور حق تعالیٰ کی نظر نیات اور اعمال پر ہے اس پر مخلوق کی نظر نہیں اور یہ صریح مقابلہ ہے حق تعالیٰ کے ساتھ نعوذ باللّٰہ من ذلک (۲)۔ صورت پر نظر تو یہ ہے کہ شب و روز یہ کوشش ہے کہ ہماری صورت ہمارا الباس ہماری وضع ہمارا طرز و انداز لوگوں کی نظر میں بھلا معلوم ہو ہر شخص کم و بیش اسی دھن میں ہے اور رات دن سوائے بناؤ سنگار کے کوئی مشغلہ نہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ تزین ممنوع ہے (۳) تزین مباح (۴) ہے مگر جب تک کہ اس میں تجاوز عن الحدود (۵) اور انہاک نہ ہو اور جب انہاک ہوا تو وہ غفلت کا سبب ہو جاتا ہے اور تجاوز کا حکم تو ظاہر ہے غرض تزین کو منظور الیہ قرار دینا نہ (۶) چاہیئے اسی واسطے حدیث میں آیا ہے: (نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ اِلَّا غِبًّا) ''ایک دن چھوڑ کر کنگھی کرنے کے علاوہ روزمرہ کنگھی کرنے کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے''

اور یہ بھی تجربہ ہے کہ جو لوگ شب و روز تزین میں مشغول رہتے ہیں کمال سے عاری ہوتے ہیں اس لئے کہ اگر ان میں کمال ہوتا تو اس میں مشغول ہونے سے اس طرف توجہ نہ ہوتی غرض ایسا تزین جس میں شب و روز مشغولی ہو منہی عنہ (۷) ہے اگرچہ ہیئت مباحہ (۸) سے بھی ہوتا۔

(۱) لوگوں کے پیش نظر مال اور صورت ہے (۲) اس بات سے میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں (۳) زیب و زینت (۴) جائز (۵) حد سے تجاوز نہ کرے (۶) ممنوع ہے (۷) مقصود (۸) اگرچہ ویسی ہیئت بنانا جائز ہو۔

امتیاز قومی کا فقدان

اور مباحہ سے آگے بڑھ کر اوضاع منہی عنہا (۱) میں مبتلا ہو گئے ہیں غیر اقوام کے لباس اور طرز کو پسند کرتے ہیں ڈاڑھی کے دشمن ہیں اور قطع نظر جواز ناجواز سے اسلامی غیرت بھی تو اس کو مقتضی تھی کہ ہم اپنی وضع کو محفوظ رکھتے جیسے اور قومیں اپنی اپنی وضع کی پابند ہیں اور ہم کو دوسری قوموں سے امتیاز ہوتا مگر اب وہ غیرت اسلامی بھی اڑ گئی مابہ الامتیاز افعال اور ہیئت سو افعال کا امتیاز تو مدت ہوئی جاتا ہی (۲) رہا تھا الا ماشاء اللہ صرف امتیاز ہیئت کا باقی تھا سو افسوس ہے کہ اب وہ بھی رخصت ہوا شاید کوئی کہے کہ ہمارا ٹوپی سے امتیاز ہے جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ٹوپی پنجاب میں ہندو بھی استعمال کرنے لگے ہیں اس لئے اس سے کچھ بھی امتیاز نہ رہا دوسرے یہ کہ اگر ٹوپی کسی وقت سر پر نہ ہو (جیسا کہ اکثر تعلیم یافتہ لوگوں کا شعار ہے) تو پھر امتیاز کس چیز سے ہوگا اس کو ضروری کہا جاوے گا کہ ہر وقت ٹوپی سر پر ہے جیسے مجھ کو ایک حکایت یاد آئی میرے یہاں ایک مہمان آئے میں نے اپنے ایک بھولے دوست سے کہا کہ دیکھو ان کو پہچان لو میں مکان سے ان کو کھانا بھیجوں گا کھلا دینا اس کے بعد مکان سے کھانا آیا تو وہ مہمان میرے پاس بیٹھے تھے وہ دوست آ کر کہنے لگے کہ کھانا تو آ گیا مگر وہ معلوم نہیں کہاں ہیں میں نے کہا کہ یہ سامنے کیا بیٹھے ہیں تو کہتے ہیں کہ ان کے پاس چادر تو ہے نہیں میں نے مزاحاً اُن مہمان سے کہا کہ آج سے یاد رکھئے آپ چادر ہر وقت اوڑھے رہیئے ورنہ کھانا نہ ملا کرے گا تو کیا چادر کی طرح ہر وقت ٹوپی سر پر رکھنا لازم ہوگا۔ غرض ٹوپی کوئی علامت نہیں ہے ذات کے اندر کسی علامت کا ہونا ضروری ہے سو وہ ڈاڑھی ہے اور

---

(۱) ایسی وضع اختیار کر لی جس کی ممانعت ہے (۲) ایسے افعال جن سے دوسری قوموں سے امتیاز ہوتا تھا مدت ہوئی ترک کر دیا، ہیئت اور وضع کا امتیاز تھا اب وہ بھی ختم ہو گیا۔

دوسری علامت خارجی لباس اور بغیر ان دونوں علامتوں کے امتیاز نہیں ہوسکتا نہ تو صرف ڈاڑھی کافی ہے اس لئے کہ لڑکوں کی ڈاڑھی نہیں ہوتی اگر صرف ڈاڑھی کو مابہ الفرق (۱) کہا جاوے تو لڑکوں کا امتیاز کس چیز سے ہوگا اور نیز بہت سی غیر قومیں بھی ڈاڑھی رکھتی ہیں ان سے امتیاز بجز لباس کے کسی چیز سے نہیں ہوسکتا اور نہ صرف لباس کافی ہے وہذا ظاہرٌ (۲)۔

ثبوت احکام کے لئے ادلہ شرعیہ

غرض حمیت کا مقتضا یہ ہے کہ ہم اپنی وضع اسلامی کو محفوظ رکھیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ ڈاڑھی رکھنے کا مسئلہ قرآن میں دکھلاؤ سو پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ جو احکام احادیث سے ثابت ہو چکے ہیں وہ سب احکام الٰہی ہیں کیونکہ اتباع حدیث کا حکم خود قرآن میں ہے پس اس طور پر تمام احکام حدیث قرآن میں ہیں مگر آجکل عام طور سے یہ خبط ہے کہ کوئی کہتا ہے کہ قرآن سے دلیل لاؤ کوئی کہتا ہے حدیث سے دلیل لاؤ سخت افسوس ہے کہ اپنے اصول کو چھوڑ دیا خوب سمجھ لو کہ اصول شرعیہ چار ہیں کتاب وسنت اجماع وقیاس ان کا دلائل ہونا دلائل عقلیہ وسمعیہ (۳) سے جب طے ہو چکا ہے پھر خاص یہ معنی ہوں کہ (هَذَا الْحُكْمُ ثَابِتٌ اِمَّا بِالْقُرْاٰنِ وَالسُّنَّةِ وَالْاِجْمَاعِ اَوِالْقِيَاسِ) یہ حکم قرآن سے یا حدیث یا اجماع امت سے یا قیاس سے ثابت ہے۔

پھر ان ادلہ اربعہ (۴) میں سے جس دلیل سے ہم ثابت کر دیں گے حکم شرعی ہونا اس حکم کا ثابت ہوجاوے گا۔ سائل کا یہ منصب نہیں کہ یہ کہے کہ صرف قرآن اور حدیث سے ثابت کرو اور ایسا سائل درپے مدعی اس امر کا ہے (۵) کہ قرآن

(۱) اگر داڑھی کو فرق کا سبب قرار دیا جائے (۲) صرف لباس بھی کافی نہیں اور یہ بات ظاہر ہے (۳) عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت ہو چکا (۴) چاروں دلائل میں سے (۵) درحقیقت اس بات کا دعویدار ہے کہ قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی دلیل قابل استدلال نہیں۔

وحدیث کے سوا اور کوئی دلیل حجت نہیں ہے جیسے کوئی شخص ہار روپیہ کا دعویٰ عدالت میں دائر کرے اور گواہ پیش کرے تو مدعا علیہ کو یہ منصب نہیں ہے کہ کہے کہ میں ان گواہوں کی گواہی نہیں تسلیم کرتا جب تک فلاں فلاں گواہی نہ دیں گے میرے نزدیک حکم ثابت نہ ہوگا۔ عدالت سے سوال ہوگا کہ ان گواہوں میں تمہارے نزدیک کوئی جرح ہے مدعا علیہ کہے کہ جرح کچھ نہیں معتبر ہیں مگر میں تو فلاں فلاں کی گواہی تسلیم کروں گا اس کی یہ بکواس ہرگز معتبر نہ ہوگی اور عدالت سے ان ہی گواہوں پر فیصلہ ہوگا تاوقتیکہ کوئی جرح ثابت نہ کیا جائے۔(۱)

پس شریعت میں جب چار گواہ تسلیم کر لئے گئے تو ہم حکم کو جس گواہ سے چاہیں ثابت کردیں گے ہاں اگر گواہ میں یعنی ان دلائل کی صحت میں کوئی کلام ہو تو اس کو طے کر لینا چاہیئے اور اس سے زیادہ مجیبین (۲) پر افسوس ہے کہ قرآن وحدیث سے اس مسئلہ کو ثابت کریں اور نہیں ملتا تو پریشان ہوتے ہیں حالانکہ اس قید کے ساتھ جواب کا ضروری ہونا خود اصول کے خلاف ہے مگر جہل کا ایسا غلبہ ہوگیا ہے کہ حقیقی اور اصلی جواب پسند نہیں آتا اور جو اصول صحیحہ سے جواب دے وہ احمق گنا جاتا ہے اور جو خلاف اصول جواب دے وہ عاقل اور ہوشیار سمجھا جاتا ہے اس کے علاج کے لئے علم دین کی سخت ضرورت ہے سو بعض ہیئات تزین (۳) کا ناجائز ہونا یقیناً شرع سے ثابت ہے مگر وضع اسلامی کے ایسے دشمن ہوتے ہیں کہ اس میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔

تشبہ بالکفار کی ممانعت

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ ''جس نے جس قوم کا تشبہ اختیار کیا وہ اسی میں سے شمار کیا جائے گا'' حدیث ضعیف ہے سبحان

(۱) جب تک ان پر کوئی الزام ثابت نہ ہو (۲) جواب دینے والوں پر (۳) زینت کی بعض حالتوں کا ناجائز ہونا شریعت سے ثابت ہے۔

اللہ اچھے اچھے محققین پیدا ہوئے ہیں۔ حدیث کے ضعف اور قوت پہچاننے والے بھی آپ ہیں خیر اگر تمہارے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہی ہے تو دوسری احادیث قویہ بھی تو موجود ہیں تشبہ کا منہی عنہ ہونا(۱) تو شروع میں متواتر المعنی ہوگیا ہے حدیث میں ہے کہ اللہ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی شکل بنائیں اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی شکل بنائیں جبکہ عورتوں کے ساتھ تشبہ غیر جائز ہے حالانکہ ہمارے میں اور عورتوں میں اسلامی شرکت ہے تو جہاں اسلامی شرکت بھی نہ ہو جیسے کفار اور ان کی وضع بنانا تو کیسے جائز ہوگا جو صاحب تشبہ کے مسئلہ میں گفتگو کرتے ہیں ان سے ہماری ایک التجا ہے اگر اس کو انہوں نے پورا کردیا تو ہم آج ہی سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ہرگز ان سے تشبہ کے مسئلہ میں گفتگو نہ کریں گے آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنا لباس اتار دیجئے اور اندر دولت خانہ میں جا کر بیگم صاحبہ مکرمہ معظّمہ کا کمخواب کا پاجامہ اور سرخ ریشمی کامدار کرتہ اور بنارسی دوپٹہ اور ہاتھوں میں چوڑیاں اور پاؤں میں پازیب اور گلے میں ہار اور تمام زیوروں سے آراستہ پیراستہ ہوکر اور جہاں آپ کے دوست ہمچشم (۲) اور آپ کے بڑے چھوٹے بیٹھے ہوں وہاں تشریف لا کر تھوڑی دیر کے لئے ذرا کرسی پر اجلاس (۳) فرمالیجئے اگر آپ نے یہ حرکت کرلی تو ہم آپ کے تشبہ کے مسئلہ میں کبھی گفتگو نہ کریں گے مگر مجھے امید نہیں کہ کوئی صاحب اس پر راضی ہوجاویں بلکہ اگر ان کو ہزار روپیہ بھی دیں تب بھی راضی نہ ہوں گے اور عار سمجھیں گے تو بتلایئے یہاں انقباض اور ناگواری کا مبنی بجز تشبہ بالنساء کے کچھ اور بھی ہے افسوس ہے کہ عورتوں کی وضع بنانا تو عار ہے اور اعداء اللہ کی وضع بنانا گوارا ہے بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر سب کفار مسلمان ہوجائیں تو کیا اس وقت بھی تشبہ ممنوع ہوگا جواب یہ ہے کہ اُس وقت وہ تشبہ ہی نہ ہوگا کیونکہ وہ وضع اب وضع الکفار نہ

(۱) تشبہ کا ممنوع ہونا باعتبار معنی متواتر حدیث کے درجہ میں ہے (۲) دوست اور ساتھی (۳) کرسی پر بیٹھ جایئے۔

رہی غرض یہ سب شعبے ہیں صورۃ آرائی کے، یہ تو اپنی صورت پر نظر ہوئی۔

دوسروں کے ساتھ لوگوں کا طرزِ عمل

اور دوسرے کی صورت پر نظر یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کو دیکھتے ہیں کہ امیر ہے یا غریب، کالا ہے یا گورا اچھا لباس پہنے ہوئے ہے یا بُرالباس اور پھر معاملہ اس سے مختلف کرتے ہیں جو عمدہ لباس پہنے ہوئے ہو اس کی تعظیم بھی ہوتی ہے وقعت بھی ہوتی ہے اگرچہ وہ کمال سے بالکل خالی ہو اور جو خستہ حالت میں ہے اگرچہ باکمال ہو اس کی پوچھ تک نہیں ہوتی اسی طرح امراء کی بہت تعظیم ہوتی ہے غرباء کو پاس تک نہیں آنے دیتے اور میں اہل کبیر (۱) کی ظاہری تعظیم سے مطلقاً منع نہیں کرتا بلکہ اس میں تفصیل ہے کہ تعظیم اگر دفع مضرت کے لئے ہو یا محض تالیف قلب کے لئے ہو تو جائز ہے (۲) اور اگر دنیا کے نفع کے لئے امرا کے سامنے جبہہ سائی کرے تو یہ ممنوع ہے (۳) حاصل یہ کہ آج کل اَلنَّاسُ بِاللِّبَاسِ ''لوگ لباس سے پہچانے جاتے ہیں'' پر عمل ہے اس لئے اہل علم کی قدر نہیں کیونکہ یہ بیچارے خستہ حالت میں رہتے ہیں لباس اور وضع کے اعتبار سے بھی مال کے اعتبار سے بھی غرض ہر طرح ظاہراً پستی کی حالت میں ہیں اسی لئے اہل دنیا کی نظر میں پست اور تاریک خیال سمجھے جاتے ہیں۔

دینداروں کا حال

لیکن بخدا اگر ان اہل علم کو دین کا ذرا چسکا لگ جاوے تو یہ بھی دنیا اور اہل دنیا کی طرف تھوکیں بھی نہیں اور ان کی یہ کیفیت ہو جاوے ؎

ہمہ شہر پر زخوباں منم وخیال ماہے　　　چہ کنم کہ چشم بدخونہ کند بہ کس نگاہے

''تمام شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے میں ایک چاند ہی کے خیال میں محو ہوں کیا کروں

(۱) بڑے درجے والوں کی (۲) نقصان سے بچنے یا دل خوش کرنے کے لئے ہو تو جائز ہے (۳) اگر نفع حاصل کرنے کے لئے امیروں کے سامنے پیشانی لگائے تو ممنوع ہے۔

کہ چشم بدخو کسی کی طرف نہیں دیکھتی''

اور یہی وجہ ہے جو علماء باعمل اور دیندار ہیں وہ دنیا کی طرف رخ بھی نہیں کرتے اور نہ ان کو اپنے موجودہ حالت قلت دنیا پر حسرت ہوتی ہے کہ ہم نے یہ علم کیوں پڑھا تھا جس سے یہ پستی نصیب ہوئی مگر شرط یہی ہے کہ چسکا لگ جاوے غرض نہ ان کو حرمان عن الدنیا پر افسوس ہے(۱) اور نہ وہ تحصیل دنیا کی تدبیر میں لگتے ہیں اور ہم نے بعضے دنیا داروں کو جو کہ دنیا کا علم پڑھتے ہیں دیکھا ہے کہ دین کی طرف آتے ہیں اور علوم دنیویہ چھوڑ چھوڑ کر علم دین پڑھتے ہیں اور جو پڑھ چکے ہیں ان میں بہت لوگ جو کہ بڑے بڑے عہدوں پر رہیں پچھتاتے ہوئے اور علم دین حاصل نہ کرنے پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔

جامہ انسانیت

ایک لطیفہ یاد آیا ایک طالب علم انگریزی چھوڑ کر علم دین پڑھنے کے لئے آئے ان سے کسی نے پوچھا کہ تم نے انگریزی کیوں چھوڑ دی کہا کہ میں نے چاہا کہ میں بھی جامۂ انسانیت پہن لوں(۲) سائل نے پوچھا کہ کیا اب تک تم جامۂ انسانیت پہنے ہوئے نہیں تھے کہا نہیں کیونکہ (اَلنَّاسُ بِاللِّبَاسِ) ''لوگ لباس کو دیکھتے ہیں'' مشہور مقولہ ہے اور لباس کی تعیین خدائے تعالیٰ نے فرمائی ہے ﴿ولباس التقویٰ ذلك خير﴾ ''تقویٰ اچھا لباس ہے'' پس بدوں تقوی کے جامۂ انسانیت میسر نہیں ہوتا پس دنیا سے بہتوں کا دین کی طرف آنا اور دین سے دنیا کی طرف ایک کا بھی نہ جانا کیا یہ دلیل نہیں ہے دین کے علو اور دنیا کی پستی کی مگر فاسد المذاق(۳) لوگوں نے حالت دینیہ کو پستی اور حالت غیر دینیہ کو علو قرار دیا ہے اور بالکل لباس پر نظر ہے اور غربا بیچارے خواہ باکمال ہوں یا بے کمال ان کو نظر انداز

(۱) دنیاوی نعمتوں سے محرومی پر کوئی افسوس نہیں اور نا ہی طلب دنیا کی تدبیر کرتے ہیں (۲) انسان بن جاؤں (۳) بدذوق لوگوں نے۔

کر رکھا ہے اور اس پر عجیب یہ کہ ہمدردی کا دعوی ہے افسوس۔

غرباء کے ساتھ حضور ﷺ کا برتاؤ

دیکھئے جناب رسول اللہ ﷺ غرباء کے ساتھ کس طور پر عنایت رحم دلی سے پیش آتے تھے اس مقام پر ایک حکایت یاد آئی حضرت زاہر رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں گاؤں میں رہا کرتے تھے کبھی کبھی مدینہ طیبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گاؤں کی چیزیں ہدیۃً حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور حضور ﷺ ان کو شہر کی چیزیں مرحمت فرمایا کرتے اور یہ فرمایا کرتے کہ زاہر ہمارا گاؤں ہے اور ہم زاہر رضی اللہ عنہ کے شہر ہیں ایک مرتبہ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ بازار میں چلے جاتے تھے حضور ﷺ نے آکر پیچھے سے ان کو آغوش میں پکڑ کر دبالیا آنکھوں پر ہاتھ نہیں رکھا جیسا آجکل کرتے ہیں کیونکہ اس سے تو ایذا اور وحشت ہوتی ہے حضرت زاہر رضی اللہ عنہ بولے یہ کون ہے چھوڑ دو پھر جب معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ہیں پھر تو انہوں نے غنیمت سمجھا کہ آج کا دن پھر کہاں نصیب اپنی پیٹھ کو حضور ﷺ کے جسد اطہر سے خوب مَلنا شروع کر دیا اس کے بعد حضور ﷺ نے مزاحاً فرمایا کہ کوئی ہے جو اس غلام کو خریدے حضرت زاہر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرا گاہک کون ہے میں تو کم قیمت ہوں حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ کے نزدیک تو کم قیمت نہیں ہو دیکھئے آپ ان کے ساتھ کس طرح پیش آئے اور ان کے خوش کرنے کو مزاح بھی فرمایا۔

حضور ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے مزاح

اور حضور ﷺ اسی مصلحت کے لئے گاہ گاہ مزاح بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک یورپ کے بادشاہ کو میں نے خواب میں دیکھا اُس نے یہ اعتراض کیا کہ

جناب رسول اللہ کی رسالت پر مجھے صرف ایک شبہ ہے اور کچھ نہیں وہ یہ کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ سے مزاح فرمایا کرتے تھے اور مزاح وقار کے خلاف ہے اور وقار لوازم نبوت سے ہے میں نے جواب دیا کہ مطلق مزاح وقار کے خلاف نہیں بلکہ خلاف وہ ہے جس میں کوئی معتدبہ مصلحت نہ ہو اور حضور ﷺ کے مزاح میں مصلحت وحکمت تھی وہ یہ کہ حضور ﷺ کو حق تعالیٰ نے ہیبت اور رعب ایسا عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے شان وشوکت اور جرأت والے آپ کے روبرو ابداً کلام نہ کرسکتے تھے جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے پس اگر حضور ﷺ صحابہ سے ایسی بے تکلفی کا برتاؤ نہ فرماتے تو صحابہ کو جرأت نہ ہوتی کہ آپ سے کچھ دریافت کریں اور ہیبت اور رعب کی وجہ سے الگ الگ رہتے اور اس حالت میں ہدایت کا ایک بڑا باب کہ استفسار ہے[1] بند ہوجاتا اور تعلیم وتعلّم کا بڑا حصہ مسدود[2] ہوجاتا اس لئے حضور ﷺ اُن سے مزاح فرماتے تھے تاکہ بے تکلفی سے جو چاہیں پوچھیں پھر مزاح بھی تین قسم کا ہوتا ہے ایک مزاح وہ جو ہلکے پن اور چھچھور پن پر دلالت کرے اس سے حضور ﷺ پاک ہیں اور ایک مزاح وہ جس سے کسی کو تکلیف پہنچے اور تیسرے وہ کہ وقار اور متانت سے ہو کذب اور خلاف حق[3] اس میں نہ ہو چنانچہ حضور ﷺ کا مزاح اسی قسم کا ہوتا تھا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

قومی ہمدردی کا مطلب

غرض کہ حضور ﷺ کا برتاؤ غرباء کے ساتھ یہ تھا آج کل بہت لوگ قومی ہمدردی کے مدعی ہیں مگر حالت یہ ہے کہ قوم سے ان کو نہ مناسبت ہے نہ موانست[4] ہے بنگلوں میں آبادی سے باہر رہتے ہیں اور دو وقت گوشت بھنا ہوا اور چاء اور بیضہ[5] اور بسکٹ قسم قسم کی ان کی غذا ہے اور ان کے غریب بھائی شہر میں

(۱) ہدایت کا دروازہ جو کہ سوال کرنا ہے بند ہوجاتا (۲) سیکھنے سکھانے کا بہت سا حصہ بند ہوجاتا (۳) جھوٹ اور ناحق بات (۴) انس ومحبت (۵) انڈے۔

بھوکے ننگے پھرتے ہیں اور ان کو خبر تک نہیں اگر کسی کے لئے کچھ خیر خواہی وغیرہ کرتے بھی ہیں تو وہ امرا کے لئے سو اس کو قومی ہمدردی نہیں کہتے اس لئے کہ قوم نام ہے مجموعہ آحاد کا (۱) اور مجموعہ میں ہمیشہ غالب کا اعتبار ہوتا ہے اور اکثر افراد قوم میں غرباء ہیں امراء تو بالکل اقل قلیل (۲) ہیں پس اس اعتبار سے قوم گویا غرباء کا نام ہوا پس قومی ہمدردی کے معنی یہ ہوں گے کہ غرباء کے ساتھ ہمدردی کی جاوے سو وہ لوگ غرباء کی کیا ہمدردی کریں گے جن کے یہاں غریبی وافلاس خود جرائم کی فہرست میں درج ہو البتہ قومی ہمدردی شریعت نے سکھلائی ہے دیکھئے حدیث شریف میں ہے (اَلْمُسْلِمُوْنَ کَجَسَدٍ وَّاحِدٍ اِذَا شْتَکٰی عَضُوًّا عِیَ لَہٗ سَائِرَ الْجَسَدِ اَوْ کَمَا قَالَ) ''مسلمان مثل ایک جسم کے ہیں جب کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے'' اسی حدیث کا ترجمہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ۔

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند که در آفرینش زیک جوہراند
چو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضو ہارانماند قرار

''بنی آدم مثل اعضاء کے ہیں کہ پیدائش میں ایک ذات کے ہیں جب کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو دوسرے اعضاء کو قرار نہیں رہتا''

غریبی امیری کی حکمت

اور افلاس کو جرم جب قرار دیا جاوے کہ جب یہ ہمیشہ بے تدبیری کا نتیجہ ہو یہ تو محض منجانب اللہ ہے ﴿اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ﴾ ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو روزی چاہیں کشادہ کردیں جس کی چاہے تنگ کردیں''

اور اس میں حق تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں چنانچہ جو لوگ افلاس وفقر وفاقہ میں مبتلا ہیں ان کے لئے بھی حکمت الٰہی ہے اور جو غنی ہیں ان کے لئے اسی میں

(۱) تمام افراد کا (۲) بہت تھوڑے۔

حکمت ہے کوئی ایک دوسرے کو حقیر نہ جانے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حالت سے خوب واقف ہیں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایک حدیث قدسی نقل کی ہے کہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ ان کا ایمان افلاس سے ہی باقی ہے اگر اللہ تعالیٰ ان کو غنی کردیں تو وہ اس قدر طغیان(۱) اختیار کریں کہ کفر تک پہنچ جاویں اور بہت سے ایسے ہیں کہ ان کا ایمان ان کے غنا کی(۲) وجہ سے محفوظ ہے اگر ان پر افلاس آجاوے تو کفر والحاد میں مبتلا ہوجاویں بہت سے مریض ایسے ہیں کہ ان کا دین مرض کی وجہ سے سالم ہے اگر تندرست ہوجاویں تو دنیا میں لگ کر خدائے تعالیٰ کو بھول جاویں اور بہت سے تندرست ایسے ہیں کہ ان کا دین صحت کی وجہ سے ہے غرض جو جس حالت میں ہے اُس کے لئے وہی مصلحت اور پسندیدہ ہے کسی نے خوب لکھا ہے ۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

''خاکسار لوگوں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو ممکن ہے کہ ان میں کوئی اہل دل صاحب حال ہو''

حقیقی ہمدردی

غرض ہمدردی کا سبق آجکل بہت گایا جارہا ہے لیکن فی الحقیقت سچی ہمدردی وہی کرسکتا ہے جو مطیع ہو جناب رسول اللہ ﷺ کا کیونکہ آپ کے برابر کسی نے ہمدردی کے اصول نہیں سکھلائے حتی کہ آپ نے جانوروں تک کے ساتھ ہمدردی کے احکام فرمائے ہیں اور سچے مطیعین نے اس پر عمل کیا ہے چنانچہ خود حضرت احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک خارشی کتا نہایت تکلیف میں

(۱) سرکشی (۲) امیری کے سبب۔

ہے اور تمام بدن اس کا خارش سے مجروح ہوگیا اور ہر شخص اس سے نفرت کرتا ہے اور اس کے ابنائے جنس (۱) بھی اُس کو پاس آنے نہیں دیتے ان کو اس پر رحم آیا اور اس کو گھر لائے اور اپنے ہاتھ سے دوا ملا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ تندرست ہوگیا۔

بخشش کا سبب

حضرت بایزید کو کسی نے بعد وفات کے خواب میں دیکھا پوچھا کہ حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا فرمایا کہ میرے تمام اعمال میں سے یہ عمل پسند آیا ایک روز میں چلا جاتا تھا اور جاڑے کا موسم تھا میں نے دیکھا کہ ایک بلی کا بچہ سردی میں اکڑ رہا ہے مجھ کو رحم آیا اور اپنے لحاف میں اس کو لیکر سویا یہ عمل میرا پسند آیا اور حکم ہوا کہ اس عمل کی وجہ سے ہم نے تم کو بخشدیا۔

کتے سے ہمدردی کے سبب علم کا حصول

مجھ کو اس وقت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد ماجد قدس سرہٗ کی حکایت یاد آئی کہ ایک بار انہوں نے ایک کتے کا بچہ کیچڑ میں پڑا دیکھا سردی سے اُس کا برا حال تھا کوئی حمام تھا وہاں لے جا کر اس کو غسل دلایا اس کے ایک مدت بعد یہ اتفاق ہوا کہ وہ کہیں تشریف لے جارہے تھے ایک چھوٹا راستہ ملا جس کو پگ ڈنڈی اور بٹیہ کہا جاتا ہے اور وہ راستہ اس قدر تنگ تھا کہ تکلف سے ایک آدمی اس پر سے چل سکتا تھا اور دونوں طرف اس کے کیچڑ اور نجاست تھی اور سامنے سے ایک کتا آگیا دونوں رُک گئے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اے کتے تو نیچے اتر تاکہ میں نکل جاؤں ان کو مکشوف ہوا (۲) کہ کتے نے کہا کہ کیا تعجب ہے آجکل کے درویشوں نے اختیار (۳)

---

(۱) اس کے ہم جنس یعنی کتے (۲) ان کو یہ بات بطور کشف کے معلوم ہوئی (۳) اپنے نفس کو دوسروں پر ترجیح دینا ۱۲ منہ

کی عادت کرلی ہے اور پہلے بزرگوں کا طریقہ ایثار (۱) ہوتا تھا آپ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں بلکہ وجہ اس کی یہ ہے کہ میں مکلّف ہوں اگر میں نجاست میں آلودہ ہوگیا تو بے دھوئے نماز کیسے پڑھوں گا اور دھونے سے مشقت میں مبتلا ہوں گا اور تو غیر مکلّف ہے تو اگر نجس ہوگیا تو تیرا کچھ حرج نہیں سوکھ کر پھر ویسا ہی ہوجاوے گا اس نے کہا کہ حضرت یہ سچ ہے لیکن یہ سمجھ لو کہ اگر آپ اتر گئے اور نجاست ظاہری میں آلودہ ہوگئے تو یہ نجاست ایک لوٹے سے دھل جائے گی اور اگر میں نیچے اُتر گیا اور تم پاک صاف چلے گئے تو یاد رکھنا کہ تمہارے قلب میں وہ نجاست یعنی عجب پندار پیدا ہوگا کہ وہ ہفت قلزم (۲) سے بھی نہ جائے گا اب آپ مختار ہیں اس سے حضرت شاہ صاحب پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور نیچے کود پڑے اور کتا نکل گیا اس کے بعد الہام ہوا کہ اے عبدالرحیم تم کو معلوم ہوا کہ یہ کیا واقعہ ہے بات یہ ہے کہ اس کے ہم جنس پر تم نے ایک مرتبہ احسان کیا تھا ہم نے نہ چاہا کہ اس پر تمہارا احسان رہے اس کے بنی نوع سے اُس کے بدلہ میں اتنا بڑا علم دلایا سبحان اللہ بزرگوں کی کیا شان ہے اور کیسے کیسے معاملات ان کو حق تعالیٰ کی جانب سے پیش آتے ہیں صاحبو ہمدردی اس کا نام ہے جو ان حضرات میں تھی جن کو بدنام کرتے ہیں۔

تعصب اور حمیت میں فرق

کہا جاتا ہے کہ ان میں سختی بہت ہے اور بڑے متعصب و متشدد ہیں بات بات میں بگڑتے ہیں حضرت آپ کو تعصب کے معنی ہی کی آج تک خبر نہیں ہے جو دین کے لئے جوش ہو وہ تعصب نہیں ہے اس کا نام حمیت اور غیرت ہے تعصب کہتے ہیں ناحق کی حمایت کرنے کو سو جو شخص ان کو متعصب کہے وہ اول اس بات کو ثابت کرے کہ جس چیز پر ان کو جوش آیا وہ ناحق تھی میں نے ایک روشن دماغ سے

(۱) دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دینا ۱۲ منہ (۲) سات سمندروں کے پانی سے بھی پاک نہ ہوگی۔

کہا کہ اگر کوئی کسی سے آ کر کہے کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کی اما جان بازار میں بیٹھا کرتی تھیں تو وہ سنکر بگڑے گا یا نہیں اور اس شخص کے بے اختیار دھول(۱) رسید کرے گا کہ نہیں کہ نالائق ہماری اہانت کرتا ہے مجھ کو تو یہ امید نہیں کہ وہ نہایت نرمی سے دلائل سے اس کا جواب دیں تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس کو آپ کیا کہیں گے آیا یہ غیرت وحمیت کہلائے گی یا تعصب اس کو جس طرح ماں کے لئے جوش آیا اسی طرح جو دین کے شیدائی ہیں اور دین کی حرمت پر اپنی عزت وحرمت کو نثار کر چکے ہیں ان کو دین کے لئے جوش ہوتا ہے ان کے سامنے جب کوئی بد دین ایسا کلمہ بکتا ہے جس سے دین پر دھبہ آوے خصوص جبکہ بد تہذیبی وتمسخر وطعن سے کہے تو ان کو غیظ وغضب آ جاتا ہے اور اگر نہ آوے تو وہ دیندار نہیں ہے بے غیرت ہے سو یہ تو اور بات ہوئی اس میں رحمت وشفقت کے خلاف کیا بات ہوئی۔

اصلی ہمدردی

یہ حضرات تو اس درجہ رحیم کریم ہوتے ہیں کہ جس کا کوئی حدوحساب نہیں ہے ایک بزرگ نے اپنے مرید سے کہا کہ اگر تم کو کوئی ستائے تو نہ صبر کیجیو اور نہ بدلہ لیجیو بدلہ تو اس لئے نہ لینا جیسے تم کو تکلیف ہوئی ہے ایسے ہی تمہارے بھائی کو تکلیف ہوگی اور صبر اس لئے نہ کرنا کہ یہ صبر اس پر پڑے گا اور پھر اس پر کوئی بلا آوے گی یہ بھی گوارا نہ ہونا چاہیئے اُس نے پوچھا کہ پھر کیا کریں فرمایا ذرا بھلا بُرا کہہ کر دل کا بخار نکال لیا کرو سبحان اللہ اصلی ہمدری یہ ہے ایک اور بزرگ کی حکایت ہے کہ انہوں نے بازار سے شکر خریدی اور خوب مضبوط کپڑے میں باندھ لی کئی منزل پر گھر تھا گھر جا کر جو کھولا تو دیکھا کہ اس میں ایک چیونٹی ہے پریشان ہوگئے پھر اُسی جگہ واپس تشریف لے گئے اور اس چیونٹی کو اس کے ٹھکانے پر چھوڑ آئے۔

(۱) تھپڑ مارے گا کہ نہیں۔

ہمدردی میں اعتدال کی ضرورت

البتہ ترحم و ہمدری میں بھی اعتدال واجب ہے پس گاؤ کشی یا گوسفند کشی خلاف (۱) ترحم و ہمدردی نہیں کیونکہ وہ امتثال ہے خالق تعالیٰ شانہ کے حکم کا (جو کہ مالک ہے تمام اشیاء کا) حق تعالیٰ نے اس کو ہمارے لئے حلال فرمایا ہے اس لئے ایسی ہمدردی کے ہم مامور نہیں ہیں ایسی ہمدردی کریں گے تو معتوب ہوں گے کیونکہ گائے بھینس بکری خالق تعالیٰ شانہ کے حکم کے سامنے کوئی چیز نہیں ہے اگر ہم ان کی رعایت کریں اوران کو ذبح نہ کریں تو خالق تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنا لازم آتا ہے مولانا نے اس مضمون کی ایک حکایت لکھی ہے کہ سلطان محمود نے ایک مرتبہ ایاز کی آزمائش کی ایک موتی نہایت بیش بہا تھا اس کی نسبت وزیر اعظم سے کہا کہ اس کو توڑ ڈالو وزیر نے عرض کیا کہ حضور ایسا نادر موتی نایاب کہاں ملے گا پھر اور وزراء امراء سے کہا غرض کسی کی ہمت نہ ہوئی ایاز کا نمبر آیا ایاز سے کہا کہ ایاز یہ موتی توڑ ڈالو ایاز نے فوراً توڑ ڈالا پھر محمود نے عتاب کے لہجہ میں پوچھا یہ کیا حرکت کی کہا کہ حضور خطا ہوئی وزراء نے ایاز کو ملامت کی کہ تو نے ایسا موتی توڑ ڈالا ایاز نے کہا بیوقوفو تم نے تو شاہی حکم توڑا اور میں نے موتی جس کی حکم شاہی کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں وہ توڑا مولانا الٰہی بخش فرماتے ہیں ۔

نقض امر از کسر در دشوار تر　　　لاجرم بستم ہا مراد کمر

''حکم عدولی موتی توڑنے سے زیادہ دشوار ہے ناچار میں نے اس کے حکم کے موافق عمل کرنے پر کمر باندھی''۔

تو حضرت ہماری تو ہمت نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو فرمادے ﴿اِذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ ''گائے کی قربانی کرو'' اور ہم کہیں ﴿لَا نَذْبَحُ بَقَرَةً﴾ ''ہم گائے کی قربانی نہیں

(۱) گائے ذبح کرنا اور بکری ذبح کرنا ہمدری کے خلاف نہیں ہے۔

کرتے'' دوسرے اگر ہم رحم کھا کر گائے کو چھوڑ دیں تو یہ معنی ہوں گے کہ ہم خدا سے زیادہ رحیم ہیں حالانکہ صفات واجب تعالیٰ شانہ جملہ کامل اکمل ہیں اور صفات ممکنات سب اس کی ظل ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ ص وَّلَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ یعنی زنا کار عورت اور زنا کار مرد ہر ایک کے سو سو درّے لگاؤ اور تم کو ان پر اللہ کے دین کے بارے میں (یعنی اس حکم کے اجراء میں رحم نہ آجاوے اگر تم مومن ہو۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطان دین		خاک برفرق قناعت بعد ازیں

''جب شاہ دین مجھ سے طمع کرنے کا خواہاں ہو تو اس کے بعد قناعت کو ترک کردوں گا''

پس ہم کو تو حکم کا بندہ بننا چاہیئے جہاں جو حکم ہو وہاں اسی پر عمل کریں اور حقیقت میں ایسے موقع پر بے رحمی بھی نہیں ہے بلکہ انسان پر رحم کرنے کے لئے اس کے منع میں اُس کے مصالح فوت ہوتے ہیں ادنیٰ کو انسان پر فدا کردیا ہے اور خود اس کو جو ظاہراً تکلیف ہوتی ہے وہ موت طبعی کی تکلیف سے بہت کم ہے اور اس تقریر سے ذبح کا مسئلہ خوب حل ہوگیا یہ تھی تحقیق ہمدردی کے مسئلہ کی جس کی مدعیان ہمدردی کو ہوا بھی نہیں لگی جو صورت آرائی میں مشغول رہ کر غربا کو اُن کی ظاہری حالت شکستگی و بے سروسامانی پر حقیر سمجھتے ہیں یہاں تک بیان صورت کے متعلق تھا۔

مال کی بے وقعتی

اب مال کو لیجئے اس وقت اکثر نے مال کو بھی قبلہ وکعبہ بنالیا ہے حالانکہ مال کو سوچنا چاہیئے کہ مال قارون کے پاس کس قدر تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ

کے پاس کچھ بھی نہ تھا اگر مال کا ہونا کوئی شرف ہوتا تو امر بالعکس (۱) ہوتا لیکن اب مال ہی کو کمال سمجھتے ہیں اور اس کے لئے دین بھی برباد کرتے ہیں اب تو اس پر نظر ہے کہ جس طرح ہو سکے مال ہاتھ آنا چاہئے خواہ جائز ہو یا ناجائز کسی پر ظلم ہو یا رحم ہو ایک شخص مدعی علم سود لیتے تھے ان پر کسی نے اعتراض کیا کہ میاں تم سود لیتے ہو حالانکہ وہ حرام ہے تو وہ صاحب فرماتے ہیں کہ میاں چپ رہو کس کا حلال کس کا حرام یہ وہ وقت ہے کہ مسلمانوں کو مال جس طرح ہاتھ لگے چھوڑنا نہ چاہئے میں ان سے اور جو صاحب ان کے ہم رنگ ہوں کہتا ہوں کہ جب آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ مال جس طرح ہاتھ آوے لے لو سو مال ڈکیتی اور چوری سے بھی ہاتھ آتا ہے یہ بھی شروع کردو احکام شرعیہ کو چھوڑا ہے احکام سلطنت کو بھی چھوڑ دو دیکھو پھر کیا ہوتا ہے تو اس کو سب مہذبین مستثنیٰ کریں گے تو ان کے اقرار ہی سے یہ ثابت ہوا کہ یہ عام مخصوص البعض ہے (۲) اور وہ بعض مستثنیٰ اور مخصوص ہیں جو کہ حکام کے خلاف ہوں افسوس صد افسوس کہ حاکم مجازی ظاہری کے خلاف تو جیل خانہ کے خوف سے مستثنیٰ کیا جاوے اور حاکم حقیقی کی مخالفت پر دلیری کی جاوے اور اس کے خلاف حکم کو اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ کیا جاوے بعض اہل حیلہ کہتے ہیں کہ ہم تو دنیا کے لئے کماتے ہیں اگر دنیا نہ ہوگی تو دین کی بھی درستی نہ ہوگی مگر یہ کہنا ان کا اس وقت صحیح ہوتا جبکہ ہم یہ دیکھتے کہ دنیا کی ترقی کے ساتھ وہ دین کی بھی ترقی کر رہے ہیں ہم تو روز روشن کی طرح یہ دیکھ رہے ہیں کہ جس قدر دنیا بڑھتی جاتی ہے اُسی قدر دین میں کمی آتی جاتی ہے حضرات یہ دنیا کچھ کام نہ آوے گی اور آخرت میں کام نہ آنا تو ظاہر ہی ہے ہم تو

---

(۱) تو معاملہ اس کے برخلاف ہوتا (۲) یہ ایسا عموم ہے جس میں سے بعض کو خصوصیت سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

اس کا کام میں نہ آنا اور اس کی تحصیل پر حسرت ہونا یہاں ہی مشاہدہ کر رہے ہیں جب کوئی دنیا پرست مرنے لگے مرتے وقت پوچھنا چاہیئے کہ دنیا طلبی کے بارے میں اس وقت تمہاری کیا رائے ہے آیا تمہاری اب بھی وہی تحقیق ہے یا بدل گئی میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ ضرور پہلی تحقیق سے رجوع کریں گے کیونکہ جس بازار میں وہ اب جا رہے ہیں وہاں یہ سکہ نہیں چلتا جو انہوں نے عمر بھر جمع کیا ہے اور جو سکہ وہاں چلتا ہے وہ ان کے پاس ہے نہیں کیونکہ وہ اس کے جمع کرنے کو عمر بھر بیسود(۱) بتایا کرتے تھے وہاں تو وہ سکہ چلتا ہے جو ظاہر میں تم کو کالا معلوم ہوتا ہے اور واقع میں وہ خالص چاندی ہے اور جو جمع کیا ہے وہ بظاہر چاندی اور واقع میں وہ لوہا ہے مگر اس وقت آنکھیں بند ہیں لیکن عنقریب کھل جاوے گی اور حقیقت نظر آجاوے گی ؎

فَسَوْفَ تَرىٰ اِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ اَمْ حَمَار

''جب غبار ہٹ جائے گا تو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر یعنی مرنے کے بعد پتہ چل جائے گا کہ ہم نے اچھا کیا ہے یا بُرا''

دنیا کی مثال

اس وقت تو خواب کا سا قصہ ہو رہا ہے جب آنکھ کھلے گی اس وقت معلوم ہوگا کہ ہم سراسر خسارہ میں تھے ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ ہمیشہ بستر پر پیشاب کر دیا کرتا تھا اُس کی بیوی نے کہا کہ کمبخت تجھ کو کیا ہوگیا کہ ہر روز بستر پر پیشاب

---

(۱) بیکار کہتے تھے۔

کر دیتا ہے اس نے کہا کہ میں خواب میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ مجھ کو سیر کے لئے لے جاتا ہے اور جب مجھ کو حاجت ہوتی ہے کسی جگہ پر بٹھا کر کہتا ہے کہ پیشاب کر لے میں پیشاب کر دیتا ہوں، بیوی نے کہا کہ شیطان تو جنات میں سے ہے اور جن کو بڑے تصرفات دیئے گئے ہیں اس سے کہنا کہ ہم فقر وفاقہ میں رہتے ہیں ہم کو روپیہ کہیں سے دلا دے اس نے کہا بہت اچھا اب اگر خواب میں آیا تو ضرور کہوں گا حسب معمول شیطان پھر خواب میں آیا اس نے کہا کہ کمبخت تو مجھ کو ہمیشہ پریشان کرتا ہے اور ہم پریشانی میں مبتلا ہیں ہم کو کہیں سے روپیہ نہیں دلاتا شیطان نے کہا تو نے مجھ سے پہلے سے نہ کہا روپیہ بہت، غرض ایک جگہ لے گیا اور وہاں سے بہت سا روپیہ اس کو اٹھوادیا اور اس روپیہ کا اس قدر بار معلوم ہوا کہ پائخانہ نکل گیا جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ بستر پر پیشاب پائخانہ تو موجود ہے اور روپیہ کا پتہ بھی نہیں یہ حکایت تو ہنسنے کی تھی مگر اس سے ایک نتیجہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس عالم کی مثال بالکل خواب کی سی ہے اور جو طالبین دنیا ہیں ان کی مثال اس خواب دیکھنے والے کی ہے اور مال دنیا پائخانہ ہے اس وقت ہم خواب غفلت میں ہیں ہم کو خبر نہیں کہ ہم کیا جمع کر رہے ہیں جب آنکھ کھلے گی یعنی موت آوے گی اس وقت معلوم ہوگا کہ مال تو ندارد(۱) مگر پائخانہ یعنی گناہ موجود ہے اس وقت کہیں گے ارے ہم تو بڑے دھوکہ میں تھے جس کو ہم موتی سمجھے تھے یہ تو سب سنگریزے(۲) نکلے ۔

حال دنیا را پر سیدم من از فزانہ　　گفت یا خوابے است یا بادیست یا افسانہ
باز گفتم حال آنکس دل دروے بہ بست　　گفت یا غولست یا دیوے است یا دیوانہ

”ایک عقلمند سے میں نے دنیا کا حال دریافت کیا اس نے کہا یا تو خواب

(۱) مال تو ہے نہیں (۲) پتھر۔

ہے یا ہوا یا افسانہ ہے پھر میں نے کہا اس شخص کا حال بیان کرو جس نے اس میں دل لگا لیا جواب دیا کہ وہ بھتنا ہے یا شیطان یا دیوانہ ہے‘‘

قدر ضرورت مال دنیا مطلوب ہے

بعض لوگ شبہ کیا کرتے ہیں کہ یہ علما اوروں کو تو ترک دنیا کی ترغیب دیتے ہیں اور خود مال دنیا جمع کرتے ہیں ہم تو جب جانتے کہ خود چھوڑ بیٹھتے اور اگر دنیا آتی تو رد کر دیتے جواب یہ ہے کہ ہم مذمت اس دنیا کی کرتے ہیں جو سبب غفلت ہوجاوے اور ان دنیاداروں کی مذمت کرتے ہیں جو دنیا میں آپ سے منہمک ہیں کہ دین کو بھی برباد کردیتے ہیں اور جائز ناجائز کا بھی امتیاز نہیں کرتے جو اس کے مصداق ہیں ۔

مبادا دل آں فرومایہ شاد　　　که از بہر دنیا دہد دیں بباد

’’اس کمینہ کے دل کو خوشی نصیب نہ ہو کہ دنیا کے واسطے دین کو برباد کرتا ہے‘‘

اور جو دنیا بقدر ضرورت ہو یا ضرورت سے زائد ہو مگر غفلت میں نہ ڈالے وہ مذموم نہیں بلکہ بقدر ضروری کے تحصیل ضروری ہے ملا جامی جب پیر کی تلاش میں خواجہ عبیداللہ احرار کے یہاں پہنچے تو خواجہ صاحب کے یہاں بڑا ٹھاٹ تھا ہر طرح کی نعمتیں دنیا کی موجود تھیں ملا جامی آ کر بہت پچھتائے اور جوش میں خواجہ صاحب کے سامنے ہی بے اختیار منہ سے نکلا ۔

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

اور یہ کہہ کر بہت حسرت افسوس کے ساتھ کسی مسجد میں جا کر لیٹ رہے

خواب میں دیکھا کہ میدان حشر قائم ہے اور ملا صاحب کسی قرض خواہ کے تقاضے سے سخت پریشان ہیں کہ ایک جانب سے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ باتزک واحتشام تشریف لائے اور فرمایا کہ درویش کو کیوں پریشان کیا ہم نے جو خزانہ یہاں جمع کیا ہے اس میں سے دلوادو اس کے بعد آنکھ کھل گئی اس وقت خواجہ صاحب اسی مسجد میں آرہے تھے فورا حاضر ہوکر پاؤں پر سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ میری گستاخی معاف فرمادیجئے انہوں نے فرمایا کہ وہ مصرعہ آپ نے کس طرح پڑھا انہوں نے عرض کیا حضرت وہ تو حماقت تھی خواجہ صاحب نے فرمایا کہ نہیں ہم اُس کو سننا چاہتے ہیں ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے منہ سے یہاں کے سامان کو دیکھ کر یہ نکلا تھا۔

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

''وہ مرد خدا نہیں جو دنیا کو دوست رکھے''

فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر ناتمام ہے اس کے ساتھ یہ مصرعہ اور ملادو

اگر دارد برائے دوست دارد

''اگر رکھتا ہے تو محبوب حقیقی کے لئے رکھتا ہے''

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مال دنیا بھی دین کے لئے ہو تو سبحان اللہ ایسا مال دنیا نہیں بلکہ وہ سببِ دین ہے مال کی مثال پانی کی ہے اور قلب کی مثال کشتی کی سی ہے اگر پانی کشتی کے اندر آ گیا تو اس کو غرق کردیتا ہے اور اگر باہر رہے تو اس کے لئے امداد کا سبب بن جاتا ہے اسی طرح مال اگر قلب کے اندر ہو یعنی اس کی محبت قلب میں متمکن ہوجاوے تو وہ باعث ہلاکت ہے اور اگر باہر رہے تو کچھ مضر نہیں ؎

آب درکشتی ہلاک کشتی است　　　آب اندر زیر کشتی پشتی است

مال را گر بہردیں باشی حمول　　　نعم مال صالح گفتہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

’’پانی اگر کشتی میں بھر جائے تو کشتی کی بربادی ہے اور اگر کشتی کے نیچے (باہر) رہے تو اس کی رفتار میں معین ہے مال کو اگر دین کے لئے اپنے پاس رکھو تو اس کے حق میں تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے نعم المال للرجل الصالح نیک آدمی کے لئے نیک مال اچھی چیز ہے‘‘

غرض کہ قدر ضرورت مال تو بہت ضروری ہے ورنہ پریشانی ہوتی اور پھر وہی حالت ہوتی ہے۔

شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم

’’رات کو جب نماز کی نیت کرتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ صبح کو میرے ہاں بچے کیا کھائینگے‘‘

شعر کے لطیف معنی

ایک فارسی داں نے اس شعر کے معنی عجیب وغریب بیان کئے اور بعد سننے کے واقعی معلوم ہوتا ہے کہ ذوق لسانی کے موافق یہی معنی ہیں وہ یہ ہے کہ

شب چو عقد نماز بر بندم بجائے تکبیر تحریمہ میگویم چہ خورد الخ

’’رات کو جب نماز کی نیت کرتا ہوں تو بجائے تکبیر تحریمہ کے کہتا ہوں کہ صبح کو میرے ہاں بچے کیا کھائینگے‘‘

یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ منہ سے کیا نکل رہا ہے چنانچہ بجائے تکبیر تحریمہ کے یہی کہہ کر نیت باندھ لیتا ہوں ’’چہ خورد بامداد فرزندم‘‘ یہ معنی اس شعر کے نہایت لطیف ہیں اور اس میں مبالغہ بھی بہت ہے غرضیکہ ایسے مال کے طلب سے

نہی نہیں(۱) ہے گفتگو اس مال میں ہے جو سبب غفلت کا ہو اور دوسرے غریب بھائیوں کی اہانت اور تحقیر کا ذریعہ ہو آگے فرماتے ہیں: (وَلٰـكِـنْ يَـنْـظُـرُ اِلٰـى اَعْمَالِكُمْ وَنِيَاتِكُمْ) یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال اور نیات کو دیکھتے ہیں جبکہ ثابت ہوگیا کہ حق تعالیٰ کی نظر اعمال اور نیت پر ہے اور صور اور اموال (۲) پر نہیں تو صاحبو! آپ اپنی نیت اور اعمال سنوارنے کی فکر کرو ما شاء اللہ بقدر ضرورت اس حدیث شریف کے پہلے ہر دو جز کی تفصیل ہوگئی ہے اور باقی دو جز کی تفصیل باقی ہے انشاء اللہ وہ پھر کسی وقت ہوجائے گی۔ فقط (۳)۔

---

(۱) ممانعت نہیں ہے (۲) اللہ تعالیٰ اعمال و نیت کو دیکھتے ہیں صورتوں اور مال کو نہیں دیکھتے (۳) اس کی تفصیل الاخلاص حصہ دوم میں آئے گی جو وعظ آئندہ ماہ ادارہ سے طبع ہوگا۔

فقط: خلیل احمد تھانوی